اگست
2021ء

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ (القرآن:54)

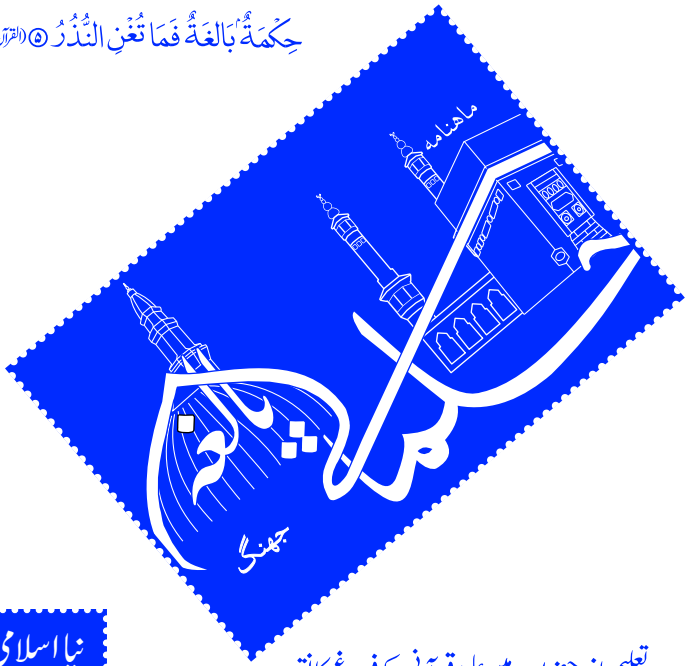

جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علوم قرآنی کے فروغ کا نقیب

نیا اسلامی سال
1443 ہجری
مبارک ہو

قرآن اکیڈمی جھنگ

جلد : 15 | وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القران) | محرم الحرام: 1443ھ
شمارہ : 08 | اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے (پ سورۃ القمر) | اگست : 2021ء

ISSN : 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت
- ڈاکٹر طالب حسین سیال
- پروفیسر خلیل الرحمٰن
- حاجی محمد منظور انور
- انجینئر عبداللہ اسماعیل

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

انتظامی امور: ملک نذر حسین

قانونی مشاورت: محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اثیر ایڈووکیٹ

اہلِ ثروت حضرات سے تاحیات زرِتعاون پچیس ہزار روپے یکمشت	سالانہ زرتعاون بشمول خصوصی اشاعت اندورنِ ملک 1000 روپے	معمول کا شمارہ 60 روپے

ترسیل زر بنام : انجمن خدام القرآن (رجسٹرڈ) جھنگ

قرآن اکیڈمی جھنگ
لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر
پاکستان پوسٹ کوڈ 35200
047-7630861-0336-6778561

Web site:
www.hamditabligh.net

Email:
hikmatbaalgha1@yahoo.com

پبلشر : انجینئر مختار فاروقی
طابع: محمد فیاض، مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَ ھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا(ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ میراث ہوتی ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا حقدار ہے

مشمولات

قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	1		3
بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات	2		5
حرفِ آرزو: پاکستان کا نظامِ تعلیم	3	انجینئر مختار فاروقی	6
حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	4	پروفیسر مہر غلام سرور	19
برطانوی حکومت کے آغاز میں دیسی تعلیم کی حالت (3)	5	پروفیسر سید محمد سلیم	25
گوادر..... ماضی اور حال کے آئینے میں	6	نور خان محمد حسنی	37
حضرت معوّذ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما	7	فتح محمد	42
کہانیاں اور بچوں سے کتابوں کا رشتہ	8	مشرف علی فاروقی	45
گھریلو تشدد (Domestic Violence).....	9	محمد منظور انور	48
یمن کے بادشاہ تبع حمیری کا خط	10		54
تبصرۂ کتب	11		57
رسید تحائف	12		59

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 10 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں 10 تاریخ کے بعد رسالہ ارسال نہیں کیا جائے گا (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

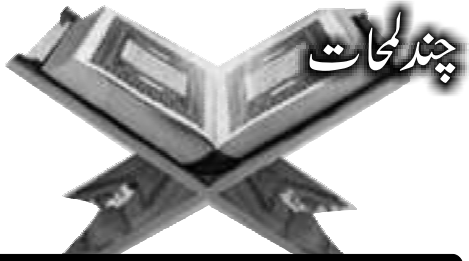

(02)	اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ	آیات
سورۃ البقرۃ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	158-153

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ

اے ایمان والو! صبر (کرو) اور (مستقل مزاجی سے) نمازوں میں

دعائیں کرتے رہو تا کہ اللہ کی مدد آ جائے

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

بے شک اللہ تعالیٰ (کی مدد ہر حال میں) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا کہ وہ مرے ہوئے ہیں

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

(وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ

اور ہم تمہاری آزمائش کریں گے کسی قدر خوف اور بھوک

وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ

اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۵۵﴾
توصبر کرنے والوں کو (اللہ کی خوشنودی کی) بشارت سنادو
الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالُوۡٓا
ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں
اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾
کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں
اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٌ
یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی مہربانی اور رحمت ہے
وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾
اور یہی سیدھے رستے پر ہیں
اِنَّ الصَّفَا وَ الۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ
بے شک (کوہِ) صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں
فَمَنۡ حَجَّ الۡبَيۡتَ اَوِ اعۡتَمَرَ
تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے
فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِ اَنۡ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا
اُس پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے
(بلکہ طواف ایک قسم کا نیک کام ہے)
وَ مَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۵۸﴾
اور جو کوئی نیک کام کرے تو اللہ قدر شناس اور دانا ہے

صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِيۡمُ

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيۡنَ

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

قَدِمَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ الْمَدِیْنَۃَ

نبی اکرم ﷺ (جب ہجرت کر کے) مدینہ تشریف لائے

فَوَجَدَ الْیَھُودَ یَصُومُوْنَ یَوْمَ عَاشُورَاءَ

تو آپ نے دیکھا کہ یہود عاشوراء (دس محرم) کے دن روزہ رکھتے ہیں

فَسُئِلُوا عَنْ ذٰلِكَ؟ فَقَالُوا:

اس بارے میں ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ

ھٰذَا الْیَوْمُ الَّذِیْ أَظْھَرَ اللّٰہُ فِیْہِ

مُوسٰی وَ بَنِیْ اِسْرَائِیلَ عَلٰی فِرْعَوْنَ

یہ دن وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غلبہ عطا کیا تھا

فَنَحْنُ نَصُومُہٗ تَعْظِیمًا لَہٗ

اس لیے ہم اس دن کو عظیم سمجھتے ہوئے اس کا روزہ رکھتے ہیں

فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: نَحْنُ أَوْلٰی بِمُوسٰی مِنْکُمْ

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہم تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہیں،

فَأَمَرَ بِصَوْمِہٖ

پھر آپ نے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا

(مسلم، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

ہمیں فرعون سے بڑے خدائی کے دعویدار برطانوی سامراج سے 14/اگست 1947ء کو رہائی نصیب ہوئی۔
علماء اس دن کا روزہ رکھنے کا عوام کو مشورہ دیں تاکہ عوام آزادی کی نعمت کو اللہ کی نعمت تصور کریں۔ ☆

زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است
علامہ اقبال

پاکستان کا نظامِ تعلیم
(سنگل نیشنل کریکولم کے پس منظر میں)

انجینئر مختار فاروقی

دنیا میں اس وقت 200 کے لگ بھگ ممالک ہیں ان میں کم وبیش 60 سے زیادہ آزاد مسلمان ممالک بھی ہیں۔ یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان دنیا کے ممالک میں ایک منفرد اور انوکھا (وکھری ٹائپ کا مُسلم) ملک ہے۔ جنوبی ایشیا میں واقع یہ ملک، یہاں کے مسلمانوں کے ارمانوں اور خوابوں (نرگسیّت اور رومانویت کی پھبتی کے باوجود) کی یہ سرزمین کئی پہلوؤں سے انفرادیت کی حامل ہے۔

بعض دیگر نمایاں اسلامی ممالک میں امریکی سرپرستی میں اسلام کے پھیلانے اور دیگر ممالک میں اسلامی فکر کو EXPORT کرنے کی اجازت کے ماحول میں پاکستان کے حکمران بھی قیامِ پاکستان کے بعد جلد ہی (پاکستان کے وزیراعظم خان لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد سے) امریکہ کی گود میں بیٹھ کر اسلام کا نام لیتے اور عوام کو میٹھی گولیاں دینے میں ماہر ہو چکے ہیں (یاد رہے کہ ایک نمایاں اسلامی سُنّی ریاست کے اہم اعلیٰ عہدے دار کا بیان اخبار کی زینت بن چکا ہے کہ گزشتہ ستر (70) سال ہم نے 'اسلام' کی تبلیغ اور تصدیر امریکہ کے کہنے پر کی ہے اب ہم یہ کام آئندہ نہیں کریں گے۔ برائے حوالہ ویب ایڈریس https://tribune.com.pk/story/1672777/3-wahhabism-spread-behest-west-cold-war-mohammed-bin-salman)

پاکستان کے عوام کے اجتماعی شعور اور اجتماعی ضمیر میں قیامِ پاکستان کے مقاصد اور اس

کے بانیان کے بیانات ابھی تازہ ہیں اور تا حال بھرپور میڈیائی مہمّات کے باوجود ان حقائق کو محو (ERASE) نہیں کیا جا سکا۔ گزشتہ پون صدی کی تاریخ بتاتی ہے کہ علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کا نام اب صرف سال میں دو مرتبہ ان دو شخصیات کے یومِ پیدائش اور یومِ وفات پر رسمی اخباری بیان تک محدود کر دیا گیا ہے اور علامہ اقبال سے تو قطع تعلق کر کے ایسے مواقع پر قوم کی نئی نسل میں بیداری کے لیے چھٹی کا اہتمام بھی 'فضول' سمجھ کر ترک کر دیا گیا ہے۔

- مذکورہ غیر ملکی مغربی صہیونی مداخلت کے نتیجے میں علامہ اقبال کے نظریات کی روشنی میں معیشت، قانون، تعلیم (نظامِ تعلیم) اور طرزِ حکومت کو اسلامی بنانے کے عمل کو REVERSE کر کے ہر چند سالوں بعد رہی سہی موجود اسلامی سوچ کو کھرچ کر نکال دیا جاتا ہے۔
- مصوّرِ پاکستان کے نزدیک پاکستان جیسے نظریاتی ملک (جو بنا اسی نظریے کی بنیاد پر تھا کہ یہاں ملوکیّت (دورِ بنواُمیّہ اور دورِ بنوعباس) کے اثرات کو مٹا کر خالصتاً خلافت راشدہ کی طرز پر عصر حاضر میں اسلام کی تعلیمات کا نمونہ دنیا کو دکھایا جا سکے (مفہوم خطبہ الٰہ آباد از علامہ اقبال صدر مسلم لیگ، 30 دسمبر 1930ء)
- علامہ اقبال کے نزدیک (جس کی تشریح کا حق ادا کیا ہے ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب نے جن کو اقبال کے تمام شارحین سب سے بڑا 'اقبال شناس' گردانتے ہیں) مغربی ممالک اور پاکستان کا نظام اپنی نوعیت اور فطرت کے اعتبار سے ہی مختلف ہیں اور کبھی ایک نہیں ہو سکتے جیسے مشرق و مغرب نہیں مل سکتے اسی طرح ہمارا نظامِ تعلیم اور مغربی (امریکی) نظامِ تعلیم کبھی ایک نہیں ہو سکتے اور نہ ہی مغربی ممالک کی گرانٹ برائے ترقیٔ تعلیم کے تحت ہمارا نظام نظریاتی ہو سکتا ہے اور نہ کبھی فکرِ اقبال اور حکمت اقبال کا عکس۔

مغربی نظامِ تعلیم کیا ہے؟

کسی بھی نظامِ تعلیم کی طرح حالیہ مغربی ممالک کا نظامِ تعلیم بھی چند دیدہ اور نادیدہ اصولوں پر قائم ہے۔ ان اصولوں میں سب سے نمایاں بنیادی اصول دو ہی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(i) حالیہ مغربی صہیونی یورپی استعمار کے غلبہ میں پرورش پانے والا مغربی نظام (1750ء کے بعد) ایک خود ساختہ اور چند فرضی THEORIES پر کھڑا ہے کہ انسان کیا ہے؟ مغربی

تصورات از قسم ڈارون تھیوری، کارل مارکس کا فلسفہ، فرائڈ کا فلسفہ اور میڈوگل وغیرہ کا فلسفہ مل کر اس مغربی تصور انسان کا ہیولیٰ بناتے ہیں پھر اس 'انسان' کی GROOMING اور POLISHING کے لیے مغرب نے اپنی آئندہ نسلوں کو تیار کرنے کے لیے ایک نصابِ تعلیم بھی وضع کیا ہوا ہے جو اُن کی اگلی نسلوں کو اپنے تصورات کے مطابق ڈھال رہا ہے۔

مغربی تصور انسان کسی 'خالق کائنات' کا مُنکر ہے۔ اس کائنات میں پہلے ANIMAL KINGDOM تھی، اس سے ارتقاء کے ذریعے 'بندر' وجود میں آیا اور پھر مزید ارتقاء سے دو ٹانگوں پر چلنے والا 'انسان' بن گیا۔ اس انسان کا ایک پہلو کارل مارکس کا معاشی فلسفہ ہے دوسرا پہلو میڈوگل کا 'URGE TO DOMINATE' کا جذبہ ہے۔ تیسرا اہم پہلو فرائڈ کا جنس (SEX) کا جذبہ ہے۔ اس انسان کو ایک اچھا مغربی انسان بنانے کے لیے ایک نظام تعلیم وضع کیا گیا ہے جس میں انسان اپنے ان جذبات کی تسکین کے لیے ایک سوسائٹی اور ریاست کے تحت آزادی (TOTAL FREEDOM) کا ماحول فراہم کیا گیا ہے جس سے انسان بڑھتے بڑھتے ایک (BEAST) درندہ بن گیا ہے اور مغربی معاشرہ 1950ء کے بعد سے ایک MORALLESS اور VALUELESS سوسائٹی میں بدل کر رہ گیا ہے۔ مغربی معاشرے نے BEASTS اور BEASTALITY کے لیے اپنے نظامِ تعلیم میں انسان تیار کر کے تین نسلیں عملی زندگی میں پہنچا دی ہیں جس سے سارا مغربی معاشرہ موجودہ اخلاقی حالت کو پہنچ گیا ہے۔

(ii) دوسری بات جو اس انسان نما درندے کو ان کا نظامِ تعلیم سکھاتا ہے یہ ہے کہ مغرب نے انسانی ترقی کو ایسے مقام تک پہنچا دیا ہے جس کے بعد کسی درجے کا امکان ہی نہیں ہے چنانچہ آج سے 25 سال قبل مغرب میں "END OF HISTORY & THE LAST MAN" کتاب سامنے آئی گویا حالیہ مغربی (امریکی تہذیب) انسانیت کی معراج ہے، جس کے بعد ترقی کا کوئی درجہ ہی نہیں ہے۔ اس درجے میں تو راقم بھی معترف ہے کہ مغربی تہذیب اور اس کے پیچھے مصروفِ عمل عالی دماغوں (ZIONS) نے انسان کو جہاں تک گرا کر 'اسفل سافلین' کے درجے تک پہنچا دیا ہے اس سے آگے اس روئے ارضی پر گراوٹ کا مزید کوئی درجہ نہیں ہے (صرف روئے ارضی کے کچھ گوشوں میں اس دجالی، شیطانی اور انسان دشمن تہذیب کے اثرات و نتائج کا پھیلاؤ

باقی رہ گیا ہے)

پاکستان کا نظریاتی نظامِ تعلیم کیا ہے؟

مسلمان گزشتہ چار پانچ صدیوں سے زوال کا شکار ہیں اوران کے تمام اجتماعی ادارے بشمول نظامِ تعلیم بھی رو بہ زوال ہو کر اب زمین بوس ہونے کے قریب ہے۔ مزید برآں مغربی استعمار نے بالارادہ (THROUGH PLANNING) اسلام کی تعلیمات بالعموم اور قرآن کی تعلیمات اور قرآن کے تصورِ انسان کو بالخصوص TARGET کر کے جدید مغربی تعلیم یافتہ انسان کے ذہن تک سے کھرچ دیا ہے گویا کہ ان کے ذہن کا سانچہ ہی بدل گیا ہے اور مروّجہ مغربی علوم نے 'قرآن کا انسان' کے تصور کو سمجھنے کا ماحول ہی خراب کر دیا ہے تاہم قرآن کا انسانی تصور کمزور ہو کر بھی اتنا سخت جان ہے کہ مغرب اپنی صدیوں کی بالادستی کے باوصف اس سے خائف ہے۔ علامہ اقبال نے پون صدی پہلے مغربی دماغوں کے استاد 'ابلیس' کی زبان سے ابلیس کی مجلس شوریٰ میں اس حقیقت کو یوں آشکار کیا تھا: ؎

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ — کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے، جس پہ روشن باطنِ ایّام ہے — مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے
جانتا ہوں میں یہ اُمّت حاملِ قرآں نہیں — ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں — بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف — ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

ابلیس کے نزدیک 'اللہ کا شکر ہے' کہ مسلمان ماہرین تعلیم خود اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ مسلمانوں کا تصورِ انسان مغرب سے مختلف ہے اور یوں نظامِ تعلیم بھی فطری طور پر مختلف ہے۔

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب — یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں

ابلیس کہتا ہے: اے میرے مشیرو!

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے — تابساطِ زندگی میں اسکے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام — چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں ہے حقیقت جسکے دیں کی احتسابِ کائنات
مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

قرآن یعنی دین اسلام کے نظامِ تعلیم کے بھی فطری طور پر دو ہی بنیادی اصول ہیں:

(i) آسمانی ہدایت قرآن یعنی اسلام کا تصورِ انسان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے نزدیک حقیقتِ انسان کیا ہے؟ علامہ اقبال کے فکر میں یہی حقیقت بیان ہوئی ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم نے اسی حقیقت کو اپنی تصانیف اور اقبال شناسی کے طور پر بیان فرمایا ہے۔

اس نکتہ کی تھوڑی تفصیل درج ذیل ہے:

- ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم نے علامہ اقبال کو سمجھا۔ قرآن مجید کو سمجھا۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں قرآن کے تصورِ انسان کے لیے جو موضوع لیا تھا وہ 'FIRST PRINCEPLES OF EDUCATION' تھا یعنی پہلے کسی اجتماعیت کا ایک تصورِ انسان ہوتا ہے پھر اس پر نظام استوار ہوتا ہے۔ اسی بات کو آگے بڑھا کر انہوں نے مستقبل کے عالمی نظریۂ حیات کی حقیقت واضح کرتے ہوئے اپنی مشہور زمانہ کتاب IDEOLOGY OF THE FUTURE لکھی جس پر انہیں D.LIT کی ڈگری ملی۔
- وہ اقبال اکیڈمی پاکستان کے بانی صدر تھے اور ڈیڑھ عشرہ اس منصب پر فائز رہے۔ انہوں نے تعلیم کے میدان میں بہت کارہائے نمایاں سرانجام دیے، صدر ایوب کے دور کے ایک وزیر خدا بخش بچہ صاحب ان کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔
- ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے ریٹائرمنٹ کے بعد نجی سطح پر انگریزی میں ISLAMIC EDUCATION کے نام سے رسالہ جاری کیا اور اس کو چلانے کے لیے 'ALL PAKISTAN ISLAMIC CONGRESS قائم فرمائی اس کے تحت 1968ء میں اسلامی تعلیم یعنی ISLAMIC EDUCATION کے نام سے سہ ماہی رسالہ جاری فرمایا جس کو اپنی وفات نومبر 1969ء تک خود چلاتے رہے۔ بعد ازاں چودھری مظفر حسین صاحب لاہور نے جاری رکھا۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب نے 'حکمت قرآن' کے نام سے ایک رسالہ جاری کرنا چاہا تھا جسے ان کی وفات کے بعد سے اب قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور، سہ ماہی شائع کر رہی ہے۔

ڈاکٹر محمد رفیع الدین اور سنگل نیشنل کریکولم

(SINGLE NATIONAL CARICULUM)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین کے نزدیک ISLAMIC EDUCATION جاری کرنے کا مقصد مدارس دینیہ کی تعلیم کو منظّم کرنا اور جدید خطوط پر استوار کرنا نہیں تھا بلکہ ان کا مقصد عصری علوم اور دینی علوم کو اکھٹا کر کے ایک ہی ادارے کے ذریعے چلانا تھا ان کے نزدیک قرآن مجید ایک مرکزی رہنما کتاب ہے جس کی تعلیم بنیادی طور پر ہر طالب علم کو دی جائے اس کی گرائمر، ادب، اعلیٰ علمی ذوق، حدیث، تفسیر وغیرہ اس نصاب کا بنیادی پتھر ہے۔ اس کے بعد انسان اسی ادارے میں سوشل سائنسز یا PHYSICAL SCIENCES میں سے کوئی شعبہ لے لے۔ ہر شعبے میں قرآن کی تعلیم لازمی ہے اور ہر شعبے میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے اور طالب علم قرآن مجید کے مطالب، مفاہیم اور اپنے شعبے سے متعلق ناگزیر قرآنی (اور احادیث کی) معلومات کا حامل ہونا ضروری ہے۔

آج کی اصطلاح 'SNC' غالباً ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ہی کے ذہن اختّاذ کی اصطلاح تھی جس کا مجوزہ خاکہ اسلامی نظامِ تعلیم میں قرآن مجید کے تصور کے مطابق انسان کو قرآن کی تعلیم اور سائنسز کی تعلیم (قرآن کی روشنی میں) دے کر ایک اعلیٰ مسلمان بنانا ضروری تھا انہوں نے نمونے کے طور پر انٹرمیڈیٹ کے طلباء کے لیے فزکس کی ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کے مطابق موجودہ بے خدا تعلیم کو مسلمان کرنا تھا۔ مسلمان فزکس کے اصولوں کو تبدیل نہیں کرے گا یا موجودہ مغربی سائنسدانوں کی طرح مسلمان سائنس دانوں کے نام مٹا کر یا چھپا کر اپنے نام سامنے نہیں لائے گا بلکہ فزکس کو پڑھانے کا انداز مختلف ہوگا۔ کتابیں نئی لکھی جائیں گی۔ مثلاً فزکس کی نئی لکھی جانے والی کتاب میں حرکت کے قوانین کچھ یوں بیان ہوں گے:

''ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اس کائنات میں مادی قوانین بنائے ہیں جو بالعموم اٹل ہیں۔ حرکت کے چند قوانین نیوٹن (وفات 1727ء) نے دریافت کیے تھے وہ یہ ہیں''۔

اس طرح آج کی تمام تعلیم جو بے خدا اور GODLESS ہے (جیسا کہ مغربی کارپردازوں کا خفیہ ایجنڈا ہے) کو بدل کر تمام علوم کی کتابیں نئی لکھی جائیں گی اور اس میں اللہ تعالیٰ کا خالق کائنات ہونا ـــــ قرآن مجید کا آخری آسمانی کتاب ہونا اور حضرت محمد ﷺ کا آخری نبی ہونا درج ہوگا۔ استاد تشریح میں مزید وضاحت سے مسلمان طلباء کو کائنات کی حقیقت بتائے گا۔ تاکہ اسلامی نظامِ تعلیم (اسلامی سنگل نیشنل کریکولم) جیسا کہ ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب نے لکھا ہے اس سے فارغ التحصیل ہونے والا ہر طالب علم عملی زندگی میں ایک اچھا مسلمان ثابت ہو۔ اس میں آخرت کی جواب دہی کا احساس ہو۔ کرپشن نہ ہو۔ کم تولنا، ملاوٹ، مہنگا سودا بیچنا، رشوت، سود، سٹہ، انعامی سکیمیں وغیرہ ـــــ الغرض ہر قسم کی معاشی و معاشرتی و سماجی لعنت سے پاک معاشرہ ترتیب پائے گا۔

بظاہر ہمارے حالیہ حکمرانوں کا یہی ایجنڈا معلوم ہوتا ہے مگر حیرت ہے کہ ملک کے اقبال شناس حلقے، اقبال اکیڈمی لاہور، بزمِ اقبال لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور وغیرہ جدید سنگل نیشنل کریکولم کی تیاری کے مرحلہ میں علامہ اقبال کی طرف سے بے خدا تعلیم کے مغربی تصور کو ردّ کرنے میں کیوں ناکام رہے اور شارح اقبال ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی کتابیں سامنے رکھ کر SNC بنانے سے لاتعلق کیسے رہ گئے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی کتابوں کی فہرست درج ذیل ہے:

1۔ FIRST PRINCIPLES OF EDUCATION
2۔ IDEALOGY OF THE FUTURE
3۔ منشور اسلام
4۔ MANIFESTO OF ISLAM
5۔ حکمت اقبال
6۔ سہ ماہی میگزین ISLAMIC EDUCATION کا علمی سرمایہ
7۔ قرآن اور علم جدید

(ii) اسلامی نظامِ تعلیم کا دوسرا اصول حسب ذیل ہے:

قرآن مجید (اور احادیث مبارکہ) کی روشنی میں اور اسلام کی تاریخ میں حقیقت

انسان کا تصور، 'حالیہ مغربی انسان کی حقیقت' سے قطعی مختلف ہے۔ جیسا کہ اوپر مغربی تصور میں واضح کیا گیا مغرب کے ماہرین علم اوران کے دیگر اعلیٰ دماغوں کے نزدیک انسان بندر سے ترقی پا کر بنا ہے اور بندر کی اولاد ہے۔ لہٰذا اس کو کسی بیرونی ہدایت (آسمانی ہدایت) کی قطعاً ضرورت نہیں بلکہ جانوروں کی طرح جو کچھ اس (انسان نما حیوان) کی فطرت اور سرشت (DNA) میں مضمر ہے وہ تمام حیوانوں کی طرح انسان کی جبلی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ کسی خارجی آسمانی ہدایت، کسی نبی اور رسول کے تصور کی بھی قطعاً ضرورت نہیں اور نہ حضرت محمد ﷺ کا انسانوں کے لیے اُسوۂ کامل ہونا اور خواتین کے لیے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا اُسوہ لازم ہونے کی کوئی منطق اور RATIONALE ہے۔ جبکہ مسلمان ماہر تعلیم ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔

'حقیقتِ انسان' کا قرآنی تصور

جبکہ اسلام کے نزدیک قرآنی تعلیمات کے مطابق انسان کائنات میں تمام مخلوقات میں افضل و اشرف ہے اسی لیے اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ قرآن و حدیث کے مطابق انسان کے دو وجود ہیں اور متوازی اور بیک وقت دونوں کے تقاضوں کو پورا کرنا اچھا انسان بننے کے لیے ضروری ہے۔ انسان کے دو وجود یہ ہیں:

(ا) روحانی وجود (ب) جسمانی (یا مادی) وجود

انسان کا مادی وجود CRUST OF THE EARTH سے بنا ہے اور اس کے سارے تقاضے اور ضروریاتِ زندگی اسی زمین سے مہیا ہوتی ہیں (پوری ہو رہی ہیں) کھانا، پینا، لباس، علاج، معالجہ، جنسی ضرورت کی تکمیل نیز مکان وغیرہ سب کی سب اسی دنیا میں زمین پر ہی مہیا ہو رہی ہیں۔ خالق کائنات نے اس کا مکمل اہتمام فرما دیا ہے۔

انسان کا روحانی وجود قرآن مجید کے نزدیک جب پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کا زندہ جسمانی وجود تیار ہوا اور اس کو FINISHING TOUCHES دے دی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے وجود میں اپنے پاس سے ایک روح (ایک نور) پھونک دی تو اب انسان کی تخلیق کا کا درجہ CLIMAX آ گیا روحانی وجود اور مادی وجود کے مجموعہ سے انسان وجود میں آ گیا تو فرشتوں (اور جنوں) کو حکم دیا کہ انسان کو سجدہ کرو۔ سب نے سجدہ کر دیا سوائے ابلیس (شیطان)

کے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا علیہما السلام کو دنیا میں بھیج دیا، ان کو لباس عطا ہوا اور دنیاوی زندگی میں نسل انسانی کا شروع ہوا۔ اب رحم مادر میں ایک خاص مرحلے پر زندہ بچے کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے جس میں اس کی قسمت، زندگی، عمر اور نیکی بدی کا احساس سب ودیعت کر دیے جاتے ہیں۔ جس کا ادراک مغرب نے DNA سے کیا ہے اس نوری 'وجود' کو ہی علامہ اقبال 'خودی' کہتے ہیں۔ اسرارِ خودی کے آغاز میں ہی ہے ع نقطۂ نورے کہ نامِ او خودی است

قرآن کے نزدیک انسان جب بالغ ہوتا ہے، اس میں ایک روح یا روحانی وجود کی وجہ سے دل میں چند احساسات پائے جاتے ہیں جو ہر شخص کو محسوس ہوتے ہیں (سوائے اس کے جو غلط کاریوں کی وجہ سے اپنے اندر کے انسان (ضمیر) کو مردہ کر لے)۔ روح اور جسد کا باہمی احساس دل میں چند احساسات سے ہی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمد رفیع الدین ہی کے نزدیک روح (خودی) زندہ ہو تو اس کے چند احساسات درج ذیل ہیں: (یہ احساسات زندہ قوت اور مؤثر ہوں تو ہم انسان کو باضمیر کہتے ہیں۔ بہت کمزور ہوں تو بے ضمیر اور بالکل ختم ہو جائیں گے تو ہم اپنی زبان میں مردہ ضمیر کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یہی احساسات اچھی تعلیم اور اچھے ماحول سے اعلیٰ مقامات حاصل کر لیں تو ہم اس کے لیے روشن ضمیر کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ یہ اصطلاحات علامہ اقبال نے بھی اپنے کلام میں استعمال فرمائی ہیں)۔ وہ احساسات جو شرفِ انسانی کی بنیاد ہیں یہ ہیں:

1۔ انسان کے دل میں اپنے خالق و مالک کی محبت کا احساس

2۔ انسان کے دل میں اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے کا جذبہ

3۔ انسان کے اندر نیکی/ بدی کا احساس (MORAL LAW)

4۔ انسان کے اندر اس نیکی/ بدی کی پہچان کی وجہ سے نیکی/ بدی کے احتساب کا احساس۔

روز قیامت اور اچھائی کے اچھے بدلے اور برائی کی سزا کا احساس پایا جاتا ہے (یہ بات انسان کی فطرت و سرشت کے خلاف ہے کہ جو مرضی کرو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ اور یہ بُری سوچ باحیثیت بُرے لوگوں کو فلاسفہ ایک نظریہ کے طور پر سکھاتے اور بُرائی کو فروغ دینے کا سبب بنتے ہیں اسی سوچ کا نام سیکولر اور لبرل سوچ ہے جس کو عام کرنا مغرب کا ایجنڈا ہے)۔

5۔ انسان کے اندر لباس کا احساس ستر چھپانے کا احساس یا بالفاظ دیگر ـــــ عام جانوروں سے قطعی مختلف طور پر جنسی معاملات کا احساس۔ کسی جانور میں لباس کا کوئی احساس نہیں۔ شیر جنگل کا بادشاہ ہو کر بھی کوئی لباس نہیں پہنتا جبکہ انسان میں کم از کم ستر چھپانے کا احساس پایا جاتا ہے یہ چیز انسان کو حیوان سے ممیّز کرتی ہے۔

6۔ انسان کے اندر حلال وحرام کا احساس۔ یہ کام کرنا چاہیے اور یہ کام نہیں کرنا چاہیے۔ اسی احساس کے تحت دنیا بھر میں کم تولنا، ملاوٹ کرنا، دو نمبر چیز بیچنا، جھوٹ بولنا، دھوکا دینا، گالی دینا، کسی کا دل دکھانا گناہ اور عیوب شمار ہوتے ہیں اور اس کے لیے سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔

7۔ انسان کے اندر رشتوں کا احساس۔ محرم رشتے اور غیر محرم رشتے۔ انسان جانوروں کی طرح ہر مخالف جنس سے اختلاط نہیں کرتا بلکہ قرآن کے بیان کے مطابق کچھ قریبی رشتے ممنوع (حرام) ہیں۔ جبکہ ان رشتوں کے وہ باقی مخالف جنس کے رشتے جائز (حلال) ہیں۔ پھر انسانی وجود اور حیوانات میں حیوانیت کا QUALITATIVE فرق بھی ہے۔ جانوروں میں رشتوں کا احساس نہیں ہے۔ اسی لیے آج کا مغرب بندر کی اولاد ہو کر ہر قسم کی رشتوں کی تمیز اور لباس کی ضرورت سے آزاد ہو چکا ہے۔

شیر جنگل کا بادشاہ ہے آج سے 10 ہزار سال پہلے بھی شیر اسی طرح زندگی گزارتا تھا اور آج بھی۔ جبکہ انسان 10 ہزار سال پہلے کیسے رہتا تھا بہت ساری ایجادات اور سہولتیں ناپید تھیں۔ زراعت، سواریاں، مکان بنانے کا فن، رہن سہن، کپڑے لباس وغیرہ کس درجے کا ہوگا اور آج کتنا فرق واقع ہو گیا ہے مگر شیر آج بھی اسی طرح زندگی گزار رہا ہے۔

مندرجہ بالا چند نمایاں احساسات ہیں جو ''روح'' کی وجہ سے جسد انسانی میں ہر شخص خود محسوس کر سکتا ہے اور اس پر عمل درآمد کرنے کا بھی عزم رکھتا ہے اور کوشش کرتا ہے۔

اسلام کا نظام تعلیم

مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے اس تصورِ انسان اور حقیقت انسان کے حامل وجود کو اب ایک نظامِ تعلیم کے ذریعے مزید مہذب اور CULTURED اور انسانی MANNERS سے آراستہ کرنے کا نام نظامِ تعلیم ہے۔

قرآن اور مغربی نظام ہائے تعلیم

قرآن کے تصور انسان کے تحت مسلمانوں کا نظامِ تعلیم مغربی نظامِ تعلیم سے کہیں اوپر جا کر شروع ہوتا ہے اور انسان کو کہاں تک پہنچاتا ہے کہ انسان حضرات موسیٰ و عیسیٰ و زکریا و یحییٰ علیہم السلام کے ساتھ کھڑا ہونے کے قابل ہو جاتا ہے جبکہ مغربی تصورِ انسان اور حقیقت کے حامل معاشروں کا نظامِ تعلیم نئی نسل کو TOTAL FREEDOM کا تصور دے کر حیوانی کل بنانے کا نام ہے جہاں کسی اخلاق، کردار (CHARACTER)، انسانی اقدار (MORAL VALUES) کا دور دور تک احساس کیا، تذکرہ بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید اس درجے میں گر کر مردہ ضمیر ہو جانے والے انسانوں کو چلتے پھرتے جانور کہتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ع روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جن کا جسد گویا ___ ایسا انسان، انسان نما حیوان ہے (اور ڈارون و فرائڈ و مارکس و میڈوگل کے فلسفوں پر ایمان لا کر انسان یہی کچھ رہ جاتا ہے) وہ انسان کہلانے کا مستحق ہی نہیں۔ (جیسا کہ بنی اسرائیل یہود ___ اپنے آپ کو انسان سمجھتے ہیں اور باقی قومیں، نسلیں، انسانی آبادیاں سب جانوروں کی طرح ہیں۔ جبکہ اسلام کا تصور بھی بتاتا ہے کہ کچھ لوگ انسان نما حیوان ہوتے ہیں مگر یہ گراوٹ انسان خود کماتا ہے اور ضمیر کی نعمت (روح کے وجود کی خود نفی کر کے بے ضمیر ہوتا ہے) سے محروم ہو جاتا ہے نہ کہ یہ چیز پیدائشی طور پر انسانوں کے اندر ہے کہ صرف یہودی انسان ہیں اور باقی غیر یہود سب جانور ہیں یہ تقسیم اسلام اور قرآن کی تقسیم نہیں ہے۔

قرآن کا نظامِ تعلیم

مصور پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کے مرشد و استاد حضرت علامہ اقبال کے نزدیک اشرف المخلوقات انسان جو قرآن کے تصور کے مطابق انسان ہو ___ اس کو اپنے جائز اور حلال اولاد کے مستقبل کے لیے ایک 'انسانی' نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جو ان کی اگلی نسلوں کو بچپن سے ہی صحیح خطوط پر چلا کر ان کے ضمیر کو سینوں میں بیدار کر کے عملی زندگی کی ابتداء سے ہی صحیح انسان بنا دے۔ اس نظامِ تعلیم کی ابتدائی کلاسوں سے لے کر اعلیٰ درجے کی یونیورسٹیوں کی تعلیم تک ان حقیقی انسانی بچوں کو معوّذ و معاذ بنانا اور محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد بنانا، غزنوی و غوری

بنانا، غزالی و رومی و جیلانی بنانا اس نظامِ تعلیم کے اہداف ہیں۔

اس نظامِ تعلیم کی لازمی ضرورت

اس نظامِ تعلیم کو تجویز کرنا، قابلِ عمل بنانا، منظور کرانا اور نافذ کرانا بھی بہت مشکل مراحل میں سے گزر کر ہی ممکن ہے۔ مگر منظوری کے بعد (یا منظوری سے پہلے) اس نظامِ تعلیم کا ایک ناگزیر تقاضا اس کے مطابق تعلیم دینے کے اہل اساتذہ کا چناؤ، تربیت، اہلیت اور ملک بھر کے تعلیمی اداروں میں پہنچا دینا بھی ایک GIGANTIC TASK ہے (اسی لیے 1996ء میں جب طالبان افغانستان کی کابل میں حکومت قائم ہوئی تھی تو انہوں نے مغربی نظام کے تحت چلنے والی کابل یونیورسٹی چند سالوں کے لیے بند کر کے ان طلباء کو فلاحی کاموں میں لگا دیا اور نصاب اور مناسب ماحول کی فراہمی کے بعد دوبارہ کلاسوں کا اجراء کیا۔) پاکستان میں اسلامی نظامِ تعلیم (یعنی علامہ اقبال کے تصورات اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی تشریحات کی روشنی میں) ایک SNC بن جانے کے بعد بھی اس کو چلانے والے ہاتھوں کے طور پر عملاً فیلڈ میں کلاس روم کو سنبھالنے والے اساتذہ کی ضرورت ہوگی جس کا قابلِ قبول لائحۂ عمل بنانا بھی اربابِ اختیار کو اپنانا ہوگا۔ یورپی یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل حضرات ایک خاص طریقے (پبلک سروس کمیشن کے سلسلہ امتحانات) اور مناسب تربیت کے بعد ہی کلاسوں کا اجراء ممکن ہو سکے گا۔

پاکستان کا نظریاتی نظامِ تعلیم

ڈاکٹر محمد رفیع الدین نے جو تفاصیل بیان کی ہیں اس کا تفصیلی خاکہ تو موصوف کی اوپر درج کتابوں سے نکالا جا سکتا ہے۔ پھر اقبال اکیڈمی لاہور، بزمِ اقبال لاہور کے اداروں کی مدد سے یہ خاکہ عملی شکل میں سامنے لایا جا سکتا ہے اس میں دینی رنگ کو گہرا کرنے کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل کو شامل کیا جا سکتا ہے بلکہ ملک بھر سے اہلِ علم سے تحریری مقابلہ کے بعد استفادہ کیا جا سکتا ہے اس خاکہ اور اس کی تفصیلات کا ابھی سے ذکر کر دینا اس نظامِ تعلیم کو بروئے کار لانے والوں کے ہاتھ باندھ دینے کے مترادف ہے۔

وزیرِ اعظم صاحب اس کام کی سخت نگرانی کریں یقیناً انگریزی محاورے کے مطابق

WHERE THERE IS WILL, THERE IS A WAY. کا سماں ہوگا اور تائید خداوندی کے ساتھ پاکستان نظریاتی طور پر دوبارہ پٹڑی پر چڑھ جائے گا۔

(یہ بات یاد رہے کہ یہ کام چونکہ مغربی قوتوں برطانیہ، امریکہ، اقوام متحدہ، بھارت، اسرائیل اور ان ممالک کے مسلمانوں میں موجود نمک خوار دوست اور NGO'S کو پسند نہیں ہے اور نہ ہوگا لہٰذا روزِ اوّل سے ہی اس کام کو غلط، بے کار، USELESS ثابت کرنا، ڈرانا، دھمکانا، قرضوں کو روک لینا، معاشی اِمداد بند کر دینا، تیل بند کرا دینا، ہنگامے کرا دینا وغیرہ سب جانب سے رکاوٹیں سامنے آنے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا عزمِ مصمم کے ساتھ اس کام کو لے کر آگے بڑھیں ان شاء اللہ یہ منشائے ایزدی کے مطابق مثبت کام ہے یہ کام یقیناً ہوگا اور پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔

بارش کا پہلا قطرہ بن کر کام کا آغاز کرنے میں پہل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کام سے ہم گمنام کارکنان وشہدائے آزادی کی روحوں کو سکون دے سکیں گے۔

وما عندی سوا ذاك مقال

اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا
آمین

امیر المومنین، ذُوالنُّورَین
حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ

پروفیسر مہر غلام سرور

نام عثمان، لقب ذوالنورین تھا، پانچویں پشت میں سلسلۂ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہوجاتا ہے۔ آپ کی والدہ اروٰی، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اُم حکیم کی صاحبزادی ہیں، رسالت مآب کے والد محترم سے توام پیدا ہوئیں، دونوں طرف سے رسول محتشم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابتداری ہے۔ عرب کے سب سے بڑے قبیلے بنی امیہ سے تعلق تھا۔

قبولِ اسلام: تجارت کی غرض سے ملک شام گئے ہوئے تھے کہ پردۂ غیب سے آواز آئی کہ سونے والے جاگ کہ مکہ میں بعثتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے۔ جلدی جلدی تیار ہوکر واپسی سفر اختیار کیا، مکہ پہنچ کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ترغیب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا جھومر پیشانی پر سجالیا۔ قبولِ حق کے وقت عمر 34 برس تھی اور چوتھے مسلمان تھے اس طرح السابقون الاولون میں شامل ہوگئے۔ گھر والوں نے بے پناہ تکالیف پہنچائیں مگر ثابت قدم رہے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی بی بی رقیہ سے عقد کر دیا۔ جب مشرکین مکہ کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کے پروانوں کو ملکِ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ آپ نے اپنی زوجہ کے ہمراہ دو دفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اس دوران بے شمار تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ ذوالنورین کے منفرد اعزاز کے بعد ذوالھجرتین کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ امتیازی خوبی حیاداری اور جود و سخاوت تھی نہایت ہی خوبصورت وجیہ شخصیت کے مالک تھے، آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمعصروں میں عثمان اور بی بی رقیہؓ کا حسین ترین جوڑا تھا۔ قبول اسلام سے پہلے بھی آپؓ نے اپنا

دامن ہر قسم کی برائیوں سے پاک رکھا جبکہ عرب معاشرہ ہر قسم کی برائی میں غرق تھا۔ چند پڑھے لکھے لوگوں میں شامل تھے۔ طویل عرصے تک رحمت عالم ﷺ کے کاتب وحی رہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے آپؓ کو کثرتِ رزق سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کی دولت کا کثیر حصہ اسلام کی سربلندی اور خدمتِ خلق میں خرچ ہوا۔ صلہ رحمی کا وصف بہت نمایاں تھا۔ بیئر رومہ، مدینہ میں واحد میٹھے پانی کا کنواں تھا جو ایک یہودی ملکیت تھا وہ یہودی، یہودیوں کو مفت جبکہ مسلمانوں کو مہنگے داموں پانی فروخت کرتا۔ ان حالات میں حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہے کوئی جنت کا خریدار؟ حضرت عثمان کھڑے ہوگئے۔ آٹھ ہزار دینار کی منہ مانگی کثیر رقم یہودی کو ادا کر کے تمام لوگوں کے لیے وقف کر دیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر ساز و سامان سے لدے ہوئے تین سو اونٹ، 70 گھوڑے اور ایک ہزار طلائی اشرفیوں کی تھیلی حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ آقا ﷺ نے فرمایا کہ اب عثمان کو کوئی کام بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں لگاتار خشک سالی کی بدولت مدینہ میں قحط پڑ گیا۔ خود امیر المومنین اور لوگ پریشان تھے ایک دن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خوشخبری سنائی کہ ان شاء اللہ آج تمہاری پریشانی ختم ہو جائے گی۔ لوگ سمجھے کہ خلیفہ محض یہ ان کی دلجوئی کے لیے کہہ رہے ہیں مگر شام کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک ہزار اونٹوں پر غلہ مدینہ پہنچ گیا۔ تاجروں نے منہ مانگی قیمت یعنی بھاری منافع کی پیش کش کی مگر آپؓ نہ مانے اور فرمایا کہ مجھے اس سے کہیں زیادہ ملتا ہے آپؓ نے سارا غلہ لوگوں میں مفت تقسیم کر دیا۔ اسی رات عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خواب میں رات کو دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ ایک خوبصورت ترکی گھوڑے پر سوار، نوری لباس میں ملبوس کہیں جانے کی جلدی فرما رہے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور میں آپ کی زیارت اور ملاقات کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا کہ مجھے جلدی اس بات کی ہے کہ عثمان نے ایک ہزار غلے کے اونٹ خیرات کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عمل کو قبول فرما لیا ہے اس کے صلے میں جنت کی ایک حور سے نکاح ہو رہا ہے اور ان کی محفل عروسی میں شامل ہونا ہے۔ جب مسجد نبوی ﷺ میں توسیع کا مسئلہ پیش آیا تو مسجد سے متصل زمین خرید کر وقف کر دی۔ آپؓ شب بیدار، قیام اللیل کے پابندی کرتے تھے ہر رات تہجد میں قرآن مجید ختم فرماتے۔ شہادت کے وقت روزہ سے تھے۔

صدقہ اور خیرات میں بادِ صرصر کی مثل تھے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے۔

شہادت 18 ذوالحجہ 35 ہجری

خلافت کے پہلے چھ سال پر امن اور پر سکون رہے۔ مزید فتوحات ہوئیں اور توسیع سلطنت کا سلسلہ جاری رہا لوگ خوشحال اور مطمئن تھے۔ گابل کے وسیع و عریض قبرستان میں خاکسار نے بچشم خود 72 صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبریں دیکھیں ہیں جن میں اکثر عہدِ عثمانی سے تعلق رکھتی ہیں۔

یکلخت ہوا و حالات کا رخ بدلا۔ اندر اندر عبداللہ ابن سبا یہودی کی سربراہی میں سازشی لاوا پک رہا تھا۔ اس بدباطن یہودی نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اس ملعون نے کئی من گھڑت اصول و نظریات اسلام کے پاکیزہ نظامِ خلافت میں شامل کر دیے۔ ان کا زیادہ اثر شاہ پرست عجمیوں پر ہوا۔ یہ لوگ دھڑا دھڑ اس سازش میں شامل ہوتے گئے۔ بڑے سازشی مرکز کوفہ اور بصرہ تھے۔ بعد میں مصری بھی شامل ہو گئے۔ ابن سبا اور اس کے حواریوں نے گھر کا محاصرہ کر لیا۔

زبیرؓ، طلحہؓ، علیؓ جیسے عظیم المرتبت شخصیتوں نے حاضر ہو کر اجازت طلب کی کہ ان مفسدین شر پسندوں کا قلع قمع کر دیں۔ مگر آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی کہ عثمانؓ تمہاری زندگی میں ایسا مرحلہ آئے گا کہ تم دوراہے پر کھڑے ہو گے ایک راستہ جنت کا اور دوسرا دوزخ و تباہی کا ہوگا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق میں اس دوراہے پر آ گیا ہوں۔ اگر دیارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں خون خرابے کا باعث بنتا ہوں تو یہ تباہی والا اور اگر اپنی جان کی قربانی دے کر خون ریزی اور مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بربادی کے تدارک کے لیے آمادہ ہوتا ہوں تو یہ مجھے بہ صد شوق قبول ہے۔ یہی فلاح اور کامرانی کا راستہ ہے۔

؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائی لبِ بام ابھی (اقبالؒ)

مزید آپؓ نے صحابہ کرام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ عثمانؓ! تمہاری زندگی میں ایسا وقت آئے گا کہ وہ خلعتِ فاخرہ (منصبِ خلافت) جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اُتار پھینکا تو اللہ تعالیٰ آپ کو معاف نہ کرے گا۔ الغرض بلوائیوں اور مفسدین نے

آپ کے گھر کا محاصرہ مزید سخت کر دیا۔ اس دوران عبداللہ بن زبیرؓ اور حسنینؓ آپ کے گھر کے دروازے پر پہرہ دیتے رہے۔ امام حسن زخمی ہوئے۔ چالیس دن کے محاصرے کے بعد ملعونین کے اس باغی گروہ نے آپ کو بے دردی سے شہید کر دیا۔ محاصرے کے دوران مفسدین نے آپ کے گھر میں کھانے پینے کی اشیاء کی رسائی پر پابندی لگائے رکھی۔ شہادت کے بعد گھر کے برتن اور دوسری اشیاء بھی لوٹ کر لے گئے۔ بوقت شہادت آپؓ روزہ سے تھے اور فرقانِ حمید کی تلاوت فرما رہے تھے۔

اس دلدوز اور اندوہناک سانحہ کے بعد دنیائے اسلام کی یکجہتی اور اتحاد پارہ پارہ ہوگیا۔ مسلمانوں کی تلواریں ایک دوسرے کے خلاف بے نیام ہوگئیں۔ جنگ جمل اور جنگ صفین کی نوبت آئی جن میں ہزار کلمہ گو لقمۂ اجل بن گئے۔ روایت رہی ہے کہ جب کوئی نبی قتل ہوا تو پچاس ہزار افراد قتل ہوئے، خلیفہ کے قتل پر 35 ہزار مارے گئے۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شہادت کی اطلاع سنی تو آ کر عثمان رضی اللہ عنہ کی میت پر گر پڑے۔ کافی دیر تک بے حس و حرکت پڑے رہے۔ بعض لوگوں کو خیال گزرا آپؓ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں کافی دیر بعد اُٹھے تو امام حسن رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کاش میں بیس سال پہلے فوت ہوگیا ہوتا۔ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ جس دن عثمانؓ شہید ہوئے اسی دن میری کمرِ ہمت ٹوٹ گئی تھی۔ حذیفہؓ بن یمان بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے عثمانؓ کو شہید کر کے خون دوہا ہے۔ اب خون کا پرنالہ کبھی بند نہیں ہوگا۔ اس شہادتِ عظمیٰ کے نتیجہ میں خوارج کا گروہ منظرِ عام پر آ گیا یہ متشدد انتہا پسند گروہ تھا۔ انتشار، افراتفری اور بدامنی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ خوارج کا نعرہ تھا ''لاحکم الا اللہ'' اللہ کے سوا کسی کی ثالثی نہیں۔ لہٰذا علیؓ اور معاویہؓ دونوں نے انسانوں کی ثالثی قبول کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے لہٰذا دونوں واجب القتل ہیں۔ غالباً دورِ حاضر کا موجودہ نام نہاد ''دولتِ اسلامیہ العراق وشام'' خوارج کا پرتو ہو۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ احادیث کے آئینے میں

☆ بی بی عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک دفعہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، آپ لیٹے رہے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے آپ اسی حالت میں رہے

جب عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو نہ صرف اٹھ کر بیٹھ گئے بلکہ پنڈلی سے ہٹا ہوا تہبند کا کپڑا ٹھیک کر لیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد جب حضرت عائشہؓ نے پوچھا تو فرمایا کہ میں عثمانؓ سے حیا کیوں نہ کروں کہ ان سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ (مسلم)

☆ حضرت طلحہؓ روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے کچھ رفیق ہوتے ہیں۔ جنت میں میرا رفیق عثمان رضی اللہ عنہ ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ہمراہ جبلِ اُحد پر تشریف لے گئے۔ پہاڑ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھوکر مار کر فرمایا کہ اُحد رک جا۔ تجھ پر ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (بخاری)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس قدر غم ہوا کہ میری عقل زائل ہو گئی مجھے اپنی زندگی بری محسوس ہونے لگی۔ جب مجھ سے لوگ بیعت لینے کا تقاضا کرنے لگے تو میں نے کہا کہ میں اللہ سے حیا کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی بیعت قبول کروں جنہوں نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے کہ جس کی شان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔

☆ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیں گے تو پھر اس کا بدل نہ پائیں گے۔

☆ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کریں گے وہ دوزخ میں جلیں گے اور عثمان رضی اللہ عنہ جنت میں جائیں گے۔

☆ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کرنا ورنہ تمہاری تلواریں قیامت تک آپس میں چلتی رہیں گی۔ شہادت کے بعد فرمایا کہ لوگوں نے اپنے اوپر فتنے کا دروازہ کھول لیا ہے جو اب قیامت تک بند نہ ہوگا۔

☆ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ شہادت کے دن مسلسل روتے رہے۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو صرف شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا غم ہے مجھے دو غم ہیں۔ چھوہاروں سے بھری ہوئی ایک زنبیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمائی تھی اور برکت

کی دعا فرمائی تھی زنبیل ہر وقت میری کمر میں رہتی تھی ان گنت چھوہارے اس سے نکال کر میں نے کھائے اور ڈھیروں کے حساب سے اللہ کی راہ میں خیرات کیے۔ شہادت کے بعد یہ زنبیل کہیں غائب ہوگئی۔ معلوم ہوا کہ برکاتِ نبوت اٹھ گئیں۔

☆ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تمام لوگ قتلِ عثمان پر متفق ہوگئے ہوتے تو لازماً آسمان سے پتھر برستے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ لوگوں نے ان کو قتل کر دیا حالانکہ وہ سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور سب سے زیادہ متقی تھے۔

☆ ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ بہت روئے اور فرمایا کہ اب خلافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے جاتی رہی۔ اب سلطنت اور بادشاہت ہوگی۔

چند منتخب اقوالِ زریں

آپ رضی اللہ عنہ کے اقوال تو بے شمار ہیں چند ایک ذکر کرتے ہیں:

☆ اگر آنکھ بینا ہے تو ہر روز، روزِ محشر ہے۔

☆ اے انسان اللہ تعالیٰ نے تجھے اپنے لیے پیدا کیا اور تو دوسروں کا ہونا چاہتا ہے۔

☆ تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ کو حق جانتا ہے اور پھر غیروں کی عبادت کرتا ہے۔

☆ زبان کی لغزش قدموں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہے۔

☆ تعجب ہے اس شخص پر جو حساب کو حق مانتا ہے پھر بھی مال و دولت جمع کرتا ہے۔

☆ عالموں اور زاہدوں کی دولتمندوں سے دوستی ریاکاری کی علامت ہے۔

☆ عمدہ لباس کے حریص، کفن کو یاد رکھ۔

☆ تلوار کا زخم جسم پر، بری بات کا روح پر ہوتا ہے۔

☆ حیا کے ساتھ تمام نیکیاں اور بے حیائی کے ساتھ تمام بدیاں وابستہ ہیں۔

برطانوی حکومت کے آغاز میں
دیسی تعلیم کی حالت

3

(حکمت بالغہ جنوری اور جون 2021ء سے وابستہ)

پروفیسر سیّد محمّد سلیم

محسن وقف کلکتہ کی ضبطی

حکومت کی سینہ زوری اور ناانصافی کی بدترین مثال محسن وقف کا معاملہ ہے۔ یہ وقف ہگلی، کلکتہ میں ایک صاحبِ خیر تاجر محمد حسن نے قائم کیا تھا۔ مکانوں اور دکانوں کی صورت میں یہ بہت بڑی مالیت کی جائیداد تھی۔ حکومت میں اس کا باقاعدہ وقف ہونا درج کرایا گیا تھا۔ وقف کی رو سے اس جائداد کی آمدنی مذہبی رسومات، امام باڑہ، ہگلی مسجد، قبرستان کی نگرانی پر صرف کی جاتی تھی۔ بعض دینی اداروں اور نادار افراد کی کفالت پر بھی خرچ ہوتی تھی۔ تعلیمی ادارے بھی اس کے تحت تھے۔ 1221ھ/1806ء میں واقف کا انتقال ہوگیا۔ جو لوگ متولی بنے وہ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ کمپنی کی عدالت میں مقدمہ ہوگیا۔ فیصلہ ہونے تک حکومت نے اس جائیداد کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ 1232ھ/1816ء میں عدالت نے یک طرفہ فیصلہ سنایا کہ وقف نامے کی تصریح کے برخلاف حکومت کو اس وقت کا متولی مقرر کر دیا گیا۔ حکومت نے سابقہ متولیوں سے اگلا حساب آنے پائی تک وصول کر ڈالا۔ یہ بھی کوئی لاکھوں کی رقم بنتی تھی۔ پھر اس رقم سے ایک انگریزی کالج 1251ھ/1835ء میں قائم کر دیا اور وقف نامے کو پس پشت پھینک دیا۔ اس کالج میں عربی فارسی سے ناواقف اساتذہ ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار پونڈ ماہانہ تن خواہ وصول کرتے تھے۔ طلبہ عام

طور پر ہندو اور عیسائی تھے۔ وقف پر یہ غاصبانہ قبضہ تھا۔ اس کا استعمال مقاصد وقف کے صریحاً خلاف تھا۔ ولیم ہنٹر اس پوری داستان کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

> 28 سال سے مقامی اور انگریز سب یہی ایک بیان سناتے ہیں۔ مسلمان سمجھتے ہیں کہ حکومت نے ظلم کیا ہے، بلکہ ذلت اختیار کی ہے۔ اس معاملے میں حکومت نے مسلمانوں کی ناراضی مول لی ہے۔ [1]

مشرقی علوم پر شاہ ضرب

1229ھ/1813ء کے چارٹر کے ذریعے برطانوی پارلیمنٹ نے کمپنی کی حکومت کو پابند کیا تھا کہ وہ بجٹ میں ایک لاکھ کی رقم ہندوستانیوں کی تعلیم کے لیے مخصوص کردے۔ تعلیم کا مقصد بہ یک وقت مشرقی علوم کا اِحیاء اور سائنس کی اشاعت قرار دیا گیا تھا۔ مقاصد میں تضاد و اِبہام مستشرقین اور مستغربین کے درمیان وجہ نزاع بن گیا۔ اس جھگڑے نے طول کھینچا اور یہ جھگڑا دس سال تک جاری رہا۔ اس طرح بجٹ پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔ ایک کمیشن نے 1239ھ/1823ء میں یہ مقصد مقرر کیا کہ اس رقم کو مشرقی علوم کی ترویج و اشاعت پر صرف کیا جائے۔ 66 سال کی حکومت کے بعد عملاً تعلیم پر رقم خرچ کرنے کی نوبت آئی۔

اس کے بعد سے مشرقی زبانوں کی اشاعت کے کام میں سرگرمی ظاہر ہونے لگی۔ عربی، فارسی اور سنسکرت کی نایاب کتابیں طبع کی جانے لگیں۔ عوام کی تعلیم کے لیے اسی سال آگرہ اور دہلی میں کالج کھولے گئے۔ ان کالجوں میں ذریعہ تعلیم اُردو تھا۔ یہاں عربی فارسی کی تعلیم لازمی تھی۔ ابھی اس باغ میں پوری طرح بہار نہیں آئی تھی کہ خزاں کا حملہ ہوگیا اور دائمی کہر نے السنہ شرقیہ اور علوم مشرقی کو ڈھانپ لیا۔

اس زمانے میں لارڈ میکالے، ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن کے عہدے پر مقرر ہوا۔ وہ مشرقی علوم کے سخت خلاف تھا۔ اس نے ان سرگرمیوں کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ مشرقی علوم کے خلاف ایک سخت یادداشت حکومت کو پیش کی۔ ساتھ ہی اپنے استعفے کی دھمکی بھی دی۔ اس یادداشت میں مشرقی علوم کی مذمت کرتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ: ''یورپ کے کسی اچھے

---

[1] Our Indian Musalman: P.160-162

کتب خانہ کی محض ایک الماری ہندوستان اور عرب کے سارے علمی سرمائے پر بھاری ہے۔'' ادھر حکومت کی شہ پر 10 فروری 1251ھ/1835ء کو ہندوؤں نے 6947 دستخطوں پر مشتمل ایک محضر نامہ حکومت کو پیش کیا، جس میں مطالبہ کیا کہ فارسی زبان کی سرکاری حیثیت ختم کردی جائے اور اردو کو بہ طور سرکاری زبان کے رائج کیا جائے۔ اس محضر نامے پر رادھا کانت مکرجی اور پرسنا کمار ٹیگور جیسے مشہور اشخاص کے دستخط ثبت تھے۔ [1]

لارڈ ولیم بینٹنگ، گورنر جنرل ہندوستان نے اس تجویز کو قبول کرلیا۔ 7 مارچ 1835ء کو گورنر جنرل نے ایک قرارداد منظور کی، جس میں ہمیشہ کے لیے برطانوی ہند میں تعلیم کے خطوط متعین کردیے گئے۔ یہ قرارداد پانچ نکات پر مشتمل تھی:

1۔ سرکاری تعلیم کا مقصد ہندوستان میں مغربی علوم وسائنس اشاعت ہے۔

2۔ آئندہ سے ملک کی سرکاری زبان انگریزی ہوگی۔

3۔ علوم وفنون کی تدریسی زبان بھی انگریزی ہی ہوگی۔

4۔ مشرقی علوم کی اشاعت پر آئندہ سے کوئی پیسہ خرچ نہیں کیا جائے گا۔

5۔ طلبہ کو وظیفہ دینے کا قدیم طریقہ ختم کردیا گیا۔

اس قرارداد کو بعد میں ایکٹ نمبر 29 مجریہ 1253ھ/1837ء کے ذریعے ملکی قانون کا درجہ دے گیا گیا۔

اس حکم نے ہندوستان سے مشرقی زبانوں مشرقی علوم کے ہزار سالہ تعلیمی سلسلے کو یک لخت ختم کردیا۔ تمام دینی مدارس غیر تسلیم شدہ قرار پاگئے۔ مفت تعلیم کی مسلمانوں کی قدیم روایات کو بھی ختم کردیا۔ اب جو لوگ صاحب ثروت ہوں گے، صرف وہی تعلیم حاصل کرسکیں گے۔ عوامی تعلیم کا دور ختم ہوگیا۔ عوامی تعلیم کی بجائے میکالے تعلیم میں نظریہ نفوذ بالائی (DOWNWARD FILTERATION THEORY) کا قائل تھا۔

فارسی زبان کے خاتمے سے مسلمانوں کے نظامِ تعلیم کی درمیانی کڑی غائب ہوگئی۔ اس نظامِ تعلیم کا دنیاوی علوم کا حصہ بے کار ہوگیا۔ اس نظامِ تعلیم کا رشتہ معاشرے سے منقطع ہوگیا۔

---

[1] British Policy and the Muslim Bengal by A.R Mullick P-231

اس کے بعد سے مسلمانوں کا شمار جاہل اور پس ماندہ اقوام کے زمرے میں ہونے لگا۔ زندگی کی دوڑ میں مسلمانوں کو زبردستی پیچھے دھکیل دیا گیا۔ تعلیم یافتہ اور بہترین صلاحیتوں کی حامل قوم کو پست بنا دیا گیا۔

یہ حکم نامہ بلائے آسمانی بن کر نازل ہوا۔ فارسی اس ملک میں ایک ہزار سال سے سرکاری زبان تھی۔ لاکھوں افراد فارسی دانی کی وجہ سے حکومتی ملازمتوں سے وابستہ تھے۔ لاکھوں ہی افراد درس و تدریس کے شعبے سے متعلق تھے۔ ان میں ہندو، مسلمان اور دیگر اقوام سب ہی شریک تھے۔ اس حکم کے بعد لاکھوں ہی خاندان بے روزگاری اور افلاس کا ہدف بن گئے۔ دنیا ان کی آنکھوں کے سامنے تاریک ہوگئی۔ قوم اس تبدیلی کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ ہندو اور مسلمانوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ گورنر جنرل کی خدمت میں محضر نامے پیش کیے۔ ایک محضر نامے پر آٹھ ہزار افراد کے دستخط تھے جو سب کے سب مشہور و معروف اور صاحب اثر لوگ تھے۔☆ اس سے قبل ڈھاکہ کے 481 معزز باشندوں نے 8 مارچ 1835ء کو ایک محضر نامہ پیش کیا جس میں بنگلہ زبان کی مخالفت کی گئی تھی اور فارسی کو برقرار رکھنے کے حق میں دلائل دیے گئے تھے۔☆ عوام کے ان محضر ناموں اور احتجاجوں کا حکومت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ حکومت بہ دستور اپنی راہ پر گامزن رہی۔

یہ قرارداد اس قدر جابرانہ تھی کہ بعض انصاف پسند انگریزی بھی اس ظلم صریح کے خلاف چیخ اٹھے۔ سرجان ایسٹر یچی اس ضمن میں لکھتا ہے:

''مجھے اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں کہ وارن ہیسٹنگز، ولیم جونز، ویلزلی اور ایلفنسٹن کی رائے میکالے کے مقابلے میں زیادہ صحیح تھی۔ ہندو اور مسلمانوں کے لیے اپنی زبان اور ادب کا مطالعہ کرنا انگریزی کے مقابلے میں حد درجے ضروری ہے۔

مشہور فلسفی جان اسٹوارٹ کا والدمل اس سلسلے میں رقم طراز ہے:

''اس قرارداد میں یہ حقیقت نظر انداز کر دی گئی ہے کہ غیر ملکی زبان اور ادب کو ایک

---

1. مولانا الطاف حسین حالی۔ حیاتِ جاوید: ج2 ص64
2. A.R. Mullick. British Policy and Muslim. Bengal. Dacca.

قلیل اقلیت تو اختیار کرسکتی ہے، لیکن قومی ادب تو قومی زبان میں ہی تیار ہوسکتا ہے۔ انگریزی جیسی مشکل زبان، جو ہندوستانیوں کے مزاج سے بھی مناسبت نہیں رکھتی ہے، کبھی بھی عوامی زبان نہیں بن سکتی ہے۔

بنگال میں تعلیم کا زوال

ان مختلف کوششوں کو مجموعی نتیجہ یہ نکلا صدیوں کا قائم شدہ دینی نظامِ تعلیم تباہ کردیا گیا۔ مدارس بند کردیے گئے۔ علماء اور فضلا اِفلاس کا شکار ہوکر دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوگئے۔ نصف صدی کے عرصے میں ایک شائستہ، مہذب، تعلیم یافتہ اور فارغ البال قوم کو جاہل، ناخواندہ، مفلس اور قلاش بنادیا گیا۔ اوّل صف میں رہنے والی قوم کو دھکیل کر گڑھے میں پھینک دیا گیا۔ یہ سب وہ حقائق ہیں جن کی تصدیق بعض انصاف پسند انگریز بھی تحریروں میں کرتے ہیں۔

میکس مولر نے سرکاری شہادتوں اور مشنریوں کی رپورٹوں کی بنا پر لکھا ہے:

''انگریز عمل داری سے پہلے صرف بنگال میں اسی ہزار مکاتب موجود تھے۔ گویا ہر چار سو کی آبادی پر اوسطاً ایک مکتب موجود تھا۔.....لیکن جن مقامات پر پرانا نظام تعلیم ہم نے ختم کردیا ہے وہاں گاؤں کے گاؤں مدرسوں سے خالی پڑے ہیں۔ (مولانا محمد میاں، علماء حق کا شان دار ماضی: ج1 ص21)

انیسویں صدی کے آخر میں ایف ڈبلیوں تھامسن پرانے نظام تعلیم کی تباہی پر افسوس کرتے ہوئے لکھتا ہے:

نئی متشددانہ پالیسی کی بنا پر گزشتہ پچاس سال میں ہندوستان کا پرانا نظام تعلیم ختم ہوگیا اور بہ حیثیت مجموعی ناخواندگی میں اضافہ ہوگیا۔

پھر 1236ھ/1820ء اور 1300ھ/1882ء کو موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اگر پرانا نظام تعلیم باقی رہتا تو آج 14 لاکھ طلبہ اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے ہوتے، حالآنکہ زیرِ تعلیم طلبہ کی تعداد آج کل 3 لاکھ 50 ہزار ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ پرانے نظام کے مقابلے میں صرف ایک چوتھائی تعداد تعلیم حاصل کرسکی ہے۔

وہ مزید لکھتا ہے کہ

زیادہ مدت نہیں گزری کہ پرانے نظام کو تباہ کرنے کا کام منظّم طور پر شروع ہوا اور ڈائریکٹر تعلیمات کو بار بار خوشی کے ایسے لمحات میسر آتے تھے، جو ایک سال میں اور ایک ہی تحصیل میں چھ چھ سو اور سات سات سو دینی مدارس کے بند ہو جانے کی اطلاع سے عبارت ہوتے تھے۔ (ایضاً)

اس دور میں احاطہ بنگال کا رقبہ بہت وسیع تھا۔ برما سے لے کر مشرقی پنجاب تک بھوٹان سے لے کر شمالی سرکار تک تمام علاقہ احاطہ بنگال میں شمار ہوتا تھا۔ اس میں بہار، اڑیسہ، بنگال، آسام اور یوپی کے صوبہ جات شامل تھے۔ الٰہ آباد (یوپی) میں لیفٹیننٹ گورنر رہتا تھا۔ ان تمام صوبہ جات میں دینی مدارس پر کم وبیش یہی مصیبت نازل ہوئی۔ سب جگہ مدارس کو تباہ کر دیا گیا۔ اس طرح حکومت کی منظّم طاقت نے ایک تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ قوم کو زبردستی جاہل، ناخواندہ اور مفلس بنا دیا۔

سندھ میں تعلیم کا زوال

بنگال کا کامیاب طریقہ کار سندھ حکومت کے سامنے موجود تھا۔ اس نے بادنیٰ توقف اس کو سندھ میں جاری کر دیا۔ اوقاف اور معافیاں ضبط کرنے میں ذرا تساہل نہیں ہوتا۔ قبضہ سندھ 1843ء کے فوراً بعد تصدیق کرانے کے بہانے اہل ملک سے تمام فرامین، دستاویزات اور معافیوں کے کاغذات طلب کر لیے گئے۔ ان میں سے معافیوں اور اوقاف کے کاغذات کو ضبط کر لیا گیا۔ زمینیں بھی بہ حق سرکار ضبط ہوگئیں۔ مدارس بند ہوگئے۔ مخدوم مولوی بے روزگار ہوگئے۔ اس سنگ دلانہ کارروائی پر تبصرہ کرتے ہوئے رچرڈ برٹن لکھتا ہے کہ مجھے اس بات پر سخت رنج ہے کہ ہماری مہذب حکومت کے دور میں ہم نے دیسی تعلیم کے مراکز کو ذرائع و وسائل نہ ہونے کے باعث برباد ہونے کے چھوڑ دیا۔☆

ان کارروائیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی سالوں میں ناخواندگی کا تناسب سندھ میں حیرت ناک حد تک بڑھ گیا۔

---

1. Prof. Shabbir Ahmad. Researches in the History of Education: P 201

پنجاب میں تعلیم کا زوال

1266ھ/1849ء میں انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کیا تھا۔ 1210ھ/1795ء سے ہی پنجاب مسلمان حکمرانوں سے نکل کر سکھوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ حکومت کے مظالم اور بربریت کے باجود دینی مدارس حسب سابق قائم تھے اور چل رہے تھے۔ انگریزی قبضے کے بعد آرنلڈ کو یہاں کا پہلا ڈائریکٹر آف پبلک انسٹرکشن مقرر کیا گیا۔ اس نے صوبے میں تعلیم کے متعلق ایک جامع رپورٹ تیار کی جو 1272ھ/1856ء میں حکومت میں پیش کی گئی۔ اس رپورٹ میں اس نے تسلیم کیا ہے کہ پنجاب میں تعلیم عام ہے، لیکن شعبۂ تدریس پر مسلمانوں کا قبضہ ہے۔

صوبہ میں تعلیم کی بہتر حالت برطانوی حکومت بھلا کیسے گوارا کر سکتی تھی۔ چنانچہ آرنلڈ نے اپنی حکومت کو مشورہ دیا: میں سمجھتا ہوں اگر حالات کو اسی طرح چلنے دیا گیا تو حکومت کا وزن بھی تعلیم کے بارے میں مسلمانوں کے حق میں چلا جائے گا۔[1] اس کے بعد بنگال کی آزمودہ پالیسی پر پنجاب میں بھی عمل درآمد شروع ہو گیا۔ اوقاف اور معافیاں اس سنگ دلی سے ضبط کر لی گئیں کہ ڈاکٹر لائٹ نر، جو ہنگری کے باشندہ تھے اور اورینٹل کالج لاہور کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے تھے، وہ بھی احتجاج کیے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ لکھتے ہیں:

> بورڈ آف ایڈمنسٹریشن نے یہ کوئی اچھا کام نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد سے دیسی مدارس تباہ ہو گئے۔ مقامی نظامِ تعلیم کو محکمہ تعلیم نے تقریباً باقاعدہ طور پر نیست و نابود کر ڈالا ہے، جس کے نتیجے میں سارے صوبے میں ان لوگوں کی تعداد جو پڑھ لکھ سکتے ہوں، ہمارے تسلط کے بعد بجائے بڑھنے کے گھٹ گئی ہے''۔[2]

پنجاب کی حکومت اگرچہ انگریزوں نے سکھوں سے لڑ کر حاصل کی تھی، لیکن نزلہ یہاں بھی بیچارے مسلمانوں پر ہی گرا۔ حکومت کی اس پالیسی کا جلد ہی یہ اثر ظاہر ہوا کہ دیسی مدارس بند ہو گئے، علما اور مدرّسین بے روزگار ہو گئے۔ مدارس جو قائم کئے گئے ان میں مسلمان استادوں کی بجائے سکھ اور ہندو استادوں نے لے لی۔ جس کی وجہ سے مسلمان طلبہ کی تعداد کم سے کم تر ہی ہوتی

---

1. Prof. Shabbir Shmad. Researches in the History of Education: P.201
2. ایضاً

چلی گئی۔اس طرح یہاں بھی مسلمانوں کو علمی اور معاشی طور پر پست تر بنا دیا گیا۔ ❶

---

❶ پنجاب کے پہلے ڈائریکٹر آرنلڈ کے زمانے میں احکامات صادر کیے گئے تھے کہ کوئی نیا مکتب کسی مسجد میں یا اس سے ملحقہ مکان میں کھلنے نہ پائے۔ان احکام پر سختی سے عمل کرایا گیا۔ان احکامات کی نقول پنجاب ریکارڈ آفس میں موجود ہیں۔ بربادی کی داستان اس خط سے سنیے جو ایک ''ملا'' نے ڈاکٹر لائٹ نر کے نام لکھا تھا:

حضور چاہتے ہیں کہ دیسی مکتبوں میں تعلیم دی جائے لیکن یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے۔ چیف محرر یعنی تعلیمی افسر، تحصیلدار، ذیلدار اور نمبرداروں نے انہیں جڑ سے اُکھاڑ دیا ہے۔اگر کوئی ان مدرسوں میں جاتا بھی ہے تو چیف محرر، ذیلدار اور نمبردار اسے دھمکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارا اس مکتب میں جانے سے کوئی بھلا نہیں ہوگا۔ زیلدار، نمبرداراور گورنمنٹ اسکول کے استاد دیسی مکتب کے مدرّس کو کہتے ہیں کہ تم ہمیں بدنام کررہے ہو۔خبردار اگر زبان تک بھی ہلائی۔اس کے بعد گورنمنٹ اسکول کا استاد دیسی مکتبوں سے بچوں کو لے جاتا ہے خواہ وہ اس کے مدرسے میں داخل ہوں یا نہ ہوں۔یہی وجہ ہے کہ بدنصیب مسلمانوں کے بچے اور بچیوں نے قرآن تک پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔لیکن خیر، خدا کی ذات تو موجود ہے اور پنجاب بھر میں موجود ہے۔اگر ایک چیف محرر یا ذیلدار ایک بچے کو کسی دیسی مدرسے میں تعلیم پاتے دیکھتا ہے تو اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور جب گورنمنٹ اسکول مدرّس کسی دیسی مکتب کے طالب علم کو دیکھتا ہے تو وہ دیسی مدرسے کے استاد کو بے نقط سناتا ہے اور نمبردار کو کہتا ہے کہ تم گورنمنٹ کا حکم ماننے کو تیار نہیں ہو۔اس مسجد کے ملا کا مزاج درست کردو، ورنہ میں تمہارے خلاف آگے شکایت کردوں گا اور جب ذیلدار ملتا ہے تو وہ کہتا ہے اگر چیف محرر آنکلا تو وہ یقیناً میاں جی کو برا بھلا کہے گا اور اس کی خوب خبر لے گا۔ یہاں اس گاؤں میں ایک مدرسہ تھا۔ایک چیف محرر آیا اور اس نے ذیلدار سے کہا کہ مکتبوں کی حالت اچھی نہیں اور یہی رائے اس نے اس ذیل میں سارے گورنمنٹ اسکولوں کی رائے بک میں لکھ دی۔ذیلدار غریب نے اپنے گاؤں کا مدرسہ فوراً بند کردیا اور اسی طرح دوسری جگہوں کے مدرسے بھی بند ہوگئے۔

جناب عالیٰ! اگر آپ کا منشا دیسی مکتبوں کو دوبارہ جاری کرنے کا ہے تو آپ ہر ایک نمبردار اور ذیلدار کے نام حکم جاری کردیں کہ وہ کسی طالب علم کو ان مدرسوں اور مکتبوں میں داخل ہونے سے نہ روکے اور جو پہلے سے داخل ہوں ان کو اپنی تعلیم جاری رکھنے دے۔ وہ ادارے جن کی بنیادیں چیف محرر، تحصیلدار اور ذیلدار نے اکھاڑ دی ہیں جن کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے، اسی صورت میں وہ دوبارہ قائم ہوسکتے ہیں لیکن اگر ایسا انتظام نہ ہوا تو یہ ادارے چل نہ سکیں گے۔(یہ اقتباس اس رپورٹ سے ماخوذ ہے جو ڈاکٹر لائٹ نر نے تعلیمی کمیشن 1882ء کے سامنے پیش کی تھی۔ پروفیسر عبدالغفور۔نئی اور پرانی تعلیم۔کتابی دنیا لمیٹڈ، دہلی، مطبوعہ 1947ء:ص49)

دینی تعلیم کی تباہی کے اثرات

اسلامی قومیّت کی بنیاد وطن، نسل یا زبان پر نہیں ہے، بلکہ ایک نظریے اور عقیدے پر ہے۔ وطنی اور لسانی قومیّتیں خود بہ خود حاصل ہو جاتی ہیں۔ ان کے حصول کے لیے کوئی خاص جدو جہد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر اسلامی قومیت، اسلامی نظریہ اور اسلامی عقیدے کو شعوری طور پر اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس وجہ سے اسلام میں علم دین کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض عین ہے۔ اسلامی عقیدہ جس قدر ذہنوں میں راسخ ہوگا، اسلامی فکر اس قدر عام ہوگی، اسی قدر مسلم قومیت قوی اور مستحکم ہوگی اور جس قدر اس عقیدہ سے دوری ہوگی اور اسلامی تعلیمات سے غفلت ہوگی، اسی قدر مسلم قومیّت کمزور اور بودی ہو جائے گی۔ مسلمان کی قومیّت براہ راست اسلامی عقیدے اور اسلامی تعلیمات کی پیداوار ہے۔ مسلمان قومیّت کی بقا کسی اور طریقے سے ممکن نہیں ہے۔

اس لیے اسلام مسلمان حکمرانوں اور مسلمان معاشرے پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ حصول تعلیم کے لیے ہر ممکن سہولت بہم پہنچائیں، اشاعت علم کو اوّلین مقصد بنائیں، دینی مدارس قائم کریں، اہل علم اور اساتذہ فراہم کریں، ان کی فراغت کا انتظام کریں اور مفت تعلیم کی درسگاہیں قائم کریں۔ اگر مسلمان معاشرہ اس اہم فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کا مجرم ہوگا تو وہ عنداللہ ماخوذ ہوگا اور سزا پائے گا۔ ہندوستان اور پاکستان کا مسلمان معاشرہ صدیوں سے حتیٰ المقدور اپنے فرض کی ادائیگی میں مشغول تھا۔ شہر شہر، قریہ قریہ دینی مدارس کا جال پھیلا ہوا تھا۔ تحصیلِ علم کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ انگریزوں کی آمد تک یہ سلسلہ خوش اسلوبی کے ساتھ چلتا رہا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے اپنی مخصوص ذہنیت اور مکروہ مقاصد کی خاطر ان مدارس کو بند ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ پروپیگنڈے کے زور سے عام مسلمانوں کو ان مدارس سے اور علماء سے حد درجے بدظن کر دیا۔ اس طرح صدیوں کا قائم شدہ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم تباہ و برباد کر ڈالا۔

دینی اعتبار سے یہ بہت بڑا سانحہ تھا۔ اس کے بعد مسلمان نسلوں کی نظام و تربیت کے نظام میں اختلال واقع ہو گیا۔ جس کی وجہ سے دینی اور ملّی شعور کی تشکیل پورے طور پر نہیں ہو سکی۔

نئی نسلوں کی دینی اور اخلاقی تربیت میں فساد رونما ہوگیا۔ یہ رخنہ اور یہ فساد روز بہ روز بڑھتا ہی جارہا ہے اس خلل اور فساد کے اثرات مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں بہت گہرے اثرات پڑے ہیں۔ آج مسلمانوں کی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جو اس فسادِ عظیم سے محفوظ ہو۔

دینی مدارس بند ہوجانے سے مسلمانوں کی نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت کے ادارے بند ہوگئے دین کے مفہوم اور اس کے مطالبات سے ناواقفیت عام ہوگئی۔ دینی کی حقیقت سے واقف افراد کی تعداد بتدریج کم سے کم تر ہوتی چلی گئی۔ نئی نسلوں کو دینی اقدار کا شعور منتقل نہ کیا جاسکا۔ اس طرح اقدار سے بعد پیدا ہوگیا، اور ملی شعور مردہ ہوتا چلا گیا۔ انیسویں صدی کے مسلمان جن اقدار کے تحفظ کی خاطر اور جس شعور ملّی کے جذبے سے مجبور ہو کر انگریز سے لڑے تھے، خاندان کے خاندان تباہ کروالیتے تھے اور ہر چیز قربان کروادی تھی، نئی نسل کے لوگ جب ان کے چہرہ پر ہلکی سی مسکراہٹ آجاتی ہے، جو اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اب ذہنی اقدار بدل گئی ہیں اور قبلہ مقصود تبدیل ہوگیا ہے۔ اب وہ اپنے اجداد کی ذہنی کیفیات کا ادارک کرنے سے قاصر ہیں۔ وہی ہوا جس خطرہ کا اظہار اکبر الٰہ آبادی نے کردیا تھا

ع دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

دینی شعور آمادۂ زوال ہوجانے کے بعد آخرت کی طلب، سلف صالحین کا اتباع اور عظمت اسلام کے جذبات سب سرد پڑ گئے۔ ان چیزوں کا اب کوئی خریدار نہیں رہا۔ انفرادی سیرت و کردار میں بے حد زوال اور انحطاط آگیا اخلاقِ محمودہ اور اخلاقِ مذمومہ کی تمیز ختم ہوتی جارہی ہے۔ اخلاقی گراوٹ کے پس ترین مظاہرات دن رات دیکھنے میں آتے ہیں۔ نہ پشیمانی کا احساس ہے، نہ اصلاحِ حال کی فکر ہے۔ اخلاقی گراوٹ کے بعد حوصلہ، ضبطِ نفس اور محنت و مشقت سے بھی یہ قوم دور ہوتی چلی جارہی ہے۔ غلامانہ پستی اور خودغرضی کی خو بو اس کے دل و دماغ میں رچ بس گئی ہے۔ صرف خودغرضی اور مادی اغراض سے ان کو عمل کی تحریک ہوتی ہے۔

دینی شعور کے کم زور پڑنے سے اسلاف کے مقدس گروہ سے اس کا رشتہ کٹ گیا ہے۔ اب یہ خود کو ایک حقیر اور غلام قوم سے زیادہ نہیں سمجھتی۔ انگریز کی عظمت کے سامنے خود کو ہیچ سمجھتی ہے۔ اس لیے ہمہ جہت احساسِ کہتری اور طلسم ہیچ میرزی میں خود کو مبتلا پاتی ہے۔ مایوسی اور ذلت

نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ عظمت و رفعت کی کوئی جھلک اس کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں۔ انگریز کی جامد نقالی کے سوا اس کے سامنے اب کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ غیرت ملی اور خودداری کا بند ٹوٹ گیا ہے۔ تقلید فرنگ کا ایک سیلاب ہے جس نے پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اسلام سے اور اسلاف سے اب یہ کوسوں دور ہٹتی چلی جا رہی ہے۔

دینی تعلیم کے خاتمے کے بعد قوم کا اپنے ماضی سے رشتہ کٹ گیا ہے، جیسے کسی فرد کا بیماری کے بعد حافظہ بالکل گم ہو جائے، اسلاف کا ہزار سالہ علمی ذخیرہ مقفل پڑا ہے۔ اس سے استفادے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔ اب کوئی شافعی، یا ابوحنیفہؒ، رومی، وعطار، رازی وغزالی کی بات سمجھنے والا باقی نہیں رہا ہے، البتہ مارکس اور لینن کے پرستار بہت پیدا ہو گئے ہیں۔ ماضی مرحوم سے کٹ جانے کے بعد آج مسلمان خود کو ایک نو دولتیہ قوم سمجھتا ہے، جس کا کوئی سابق ورثہ نہیں ہے۔ اس لیے ہر چیز مغرب سے مستعار لینے پر شرم محسوس نہیں کرتا۔

دینی اقدار کے زوال سے مسلمانوں کا ملّی شعور بھی کم زور پڑ گیا۔ مسلمان قوم غیر قوموں کی شیطانی انگیخت کے لیے مرغوب چراگاہ بن گئی۔ مسلمانوں میں پہلے بھی بیسیوں حکومتیں تھیں۔ صد ہا لسانی اور تمدنی اختلافات موجود تھے۔ معاشرت میں بھی کافی فرق تھا لیکن دینی تعلیم کی وجہ سے یک جہتی اور اتحاد کا ملی شعور بیدار تھا۔ پشاور سے لے کر راس کماری تک اور مکران سے آراکان تک ایک ہی نظریہ تھا۔ ایک ہی ذہنیت تھی اور ایک ہی قوم تھی۔ ہر جگہ یکساں اقدار کی بالادستی تھی۔ لیکن دینی تعلیم کے زوال کے بعد سے جگہ جگہ لسانی اور تمدنی اختلافات نے سر ابھارنا شروع کر دیا۔ شیطانی قوتوں نے انھیں غذا مہیا کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب مختلف علاقے وطنی اور لسانی قومیّتوں کے نعرے بلند کر رہے ہیں۔

دینی اقدار کے زوال کے بعد سے جو خلا پیدا ہوا ہے، مادی اقدار نے وہاں جگہ بنالی ہے۔ اب مادی قدروں کا نئی نسلوں کے دل و دماغ پر اتنا غلبہ ہے کہ اہم سے اہم دینی قدر کو مادی منافع کی خاطر پامال کرنے میں ذرہ برابر باک محسوس نہیں کرتے۔ دینی اقدر پر کٹ مرنے والا مسلمان آج مادی اغراض کا بندہ بن گیا ہے۔ 'خلیفۃ اللّٰہ فی الارض' مسلمان آج خواہشاتِ نفسانی کا پرستار ہے۔ یہ مسرت نہیں، بلکہ افسوس کا مقام ہے۔ یہ واقعہ انگریز کے لیے خواہ کتنا ہی

موجب شاہ مانی ہو کہ اس کی تدبیریں کامیاب ہوگئی ہیں، لیکن اسلام کے لیے ماتم کا مقام ہے:

؎ غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

جدید تعلیم نے مسلمان کو روزگار مہیا کر دیا، روٹی کپڑا بھی مل گیا، مگر دین و اخلاق سے عاری کر دینے کے بعد

؎ گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشہ فرہاد بھی ساتھ

مسلمان اقوام آج جس قدر انفرادی اور اجتماعی خرابیوں میں مبتلا ہیں، وہ سب دینی اور ملی شعور کے زوال اور فقدان کا نتیجہ ہے۔ یہ حالت دینی تعلیم کے زوال کے بعد پیدا ہوئی ہے اور روز بہ روز بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ (تمام شد)

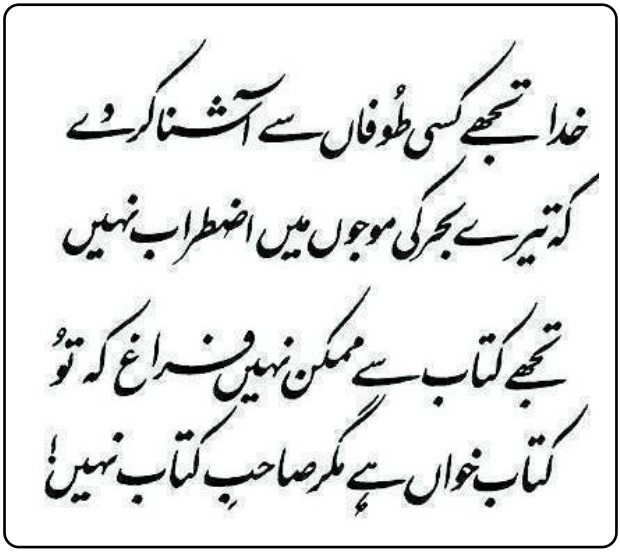

گوادر..... ماضی اور حال کے آئینے میں

(اکیسویں صدی کی ضرورتوں سے آراستہ جدید بندرگاہ کی تکمیل کا وقت قریب)

نور خان محمد حسنی

(ماہنامہ ہونہار لاہور، فروری 2020ء)

گوادر، پاکستان کے انتہائی جنوب مغرب اور دنیا کے سب سے بڑے بحری تجارتی راستے پر واقعہ صوبہ بلوچستان کا ایک قدیم شہر ہے، جو اپنے شاندار محل وقوع اور زیر تعمیر جدید ترین بندرگاہ کے باعث عالمی سطح پر بھی معروف ہے۔ شہر کا نام ''گوادر'' بلوچی زبان کے دو الفاظ 'گوات' اور 'در' سے بنا ہے، جس کے معنی ''ہوا کا دروازہ'' ہے، جو بگڑ کر ''گوادر'' بن گیا۔ 60 کلومیٹر طویل ساحلی پٹی پر واقع شہر گوادر میں اکیسویں صدی کی ضرورتوں سے آراستہ جدید بندرگاہ کی تکمیل کا وقت جوں جوں قریب آ رہا ہے، اس کی اہمیت روز بہ روز بڑھتی جا رہی ہے، کیونکہ آنے والے وقت میں پاکستان سمیت چین، افغانستان اور وسط ایشیا کے ممالک کی بحری تجارت کا زیادہ تر دارومدار اسی بندرگاہ پر ہوگا۔ بلاشبہ تاریخی لحاظ سے گوادر کی اہمیت مسلّم ہے۔ ماضی کے اس قدیم ساحلی شہر کو اگر آج کے تناظر میں دیکھا جائے، تو آج ہر طرف گوادر کو ترقی دینے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ سی پیک، گوادر پورٹ کے ذریعے دنیا سے تجارت کے راستے کھلنے کی نوید سنائی جا رہی ہے لیکن اکثر لوگ اس کے اصل محسن، ملک فیروز نون خان سے ناواقف ہیں، جنہوں نے گوادر کو پاکستان کا حصہ بنوایا۔ آیئے اس حوالے سے ذرا ماضی میں جھانک کر دیکھیں کہ ملک میں ترقی و کامرانی اور خوشحالی کا باعث بننے والے اس تاریخی خطے کی گزشتہ اَدوار میں کیا حیثیت تھی؟ اسے کب کس نے

اپنی ذاتی اغراض کے لیے تاراج کیا اور کب سے وہ بیرونی قوتوں کی نظر میں کھٹک رہا ہے۔

اس علاقے کو کسی زمانے میں وادی کلانچ اور وادی دشت کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اگرچہ اس کا وسیع رقبہ بے آباد اور بنجر ہے۔ تاہم، اپنی افادیت اور جداگانہ حیثیت کے باعث مکران کی تاریخ میں یہ ہمیشہ ہی سے خاص اہمیت کا حامل رہا ہے۔ معلوم تاریخ کی ایک روایت کے مطابق، حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں جب قحط پڑا، تو وادیٔ سینا سے بہت سے افراد کوچ کر کے اس علاقے میں آباد ہو گئے تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ 325 قبل مسیح میں سکندر اعظم جب برصغیر سے واپس یونان جا رہا تھا، تو اس نے یہ علاقہ اتفاقاً دریافت کیا، اس کی بحری فوج کے سپہ سالار ADMIRAL NEARCHOS نے اپنے جہاز یہیں لنگر انداز کیے۔ اپنی یادداشتوں میں اس علاقے کے اہم شہروں کو قلمات، گودر، پشتو کان اور چابہار کے ناموں سے لکھا۔ 711ء میں محمد بن قاسم نے بھی یہ علاقہ فتح کیا، جبکہ 16 ویں صدی میں پرتگیزیوں کا مکران کے متعدد علاقوں پر قبضہ رہا۔ علاوہ ازیں، یہ خطہ متعدد مقامی حکمرانوں کے درمیان بھی تختۂ مشق بنا رہا، کبھی یہاں بلیدی حکمران رہے، تو کبھی رندوں کو حکومت ملی۔ کبھی ملک حکمران بنے، تو کبھی گچکیوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ 1740ء تک بلیدی اور گچکیوں کے مابین حکمرانی کے لیے چپقلش جاری رہی۔ اس دوران خان آف قلات، میر نصیر خان اوّل نے ان پر چڑھائی کر دی۔ بعدازاں 1775ء کے قریب مسقط کے حکمرانوں نے یہ علاقہ مستعار لے کر گوادر کی بندرگاہ وسط ایشیا کے ممالک سے تجارت کے لیے استعمال کرنا شروع کر دی۔

1492ء میں کرسٹوفر کولمبس کے امریکہ دریافت کرنے کی خبر، جب پرتگال کے بادشاہ تک پہنچی، تو اس کے دل میں بھی ایسا ہی کارنامہ سرانجام دینے کا جذبہ بیدار ہوا۔ اس نے کافی سوچ بچار کے بعد ہندوستان کے سمندری راستے کی کھوج لگانے کا فیصلہ کیا اور چار بحری جہازوں پر مشتمل ایک بیڑا تیار کروایا، سب سے بڑے بحری جہاز ''سان جبریل'' میں واسکوڈی گاما کو لیڈر اور بیڑے کا امیر البحر مقرر کیا اور بالآخر طویل سفر، بے حد کٹھن مشکل حالات سے نبرد آزما ہونے کے بعد وہ ہندوستان پہنچنے کا سمندری راستہ دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا، جس کے بعد ہی سے اہل یورپ پر ہندوستان کے دروازے وا ہوئے۔ بلوچستان کے ساحل پر، پرتگالیوں کی آمد کا ذکر قدیم ''بلوچی رزمیہ شاعری'' میں لکھتے ہیں کہ ''حمل کے بارے میں رزمیہ نظم' جو حمل جیند اور

پرتگیزوں کے درمیان اس جنگ سے متعلق ہے، جس میں حمل جیند شکست کھا کر پرتگیزوں کے ہاتھوں گرفتار ہوتا ہے۔ پرتگیزی، پرتگال کی حکومت سے زیادہ مسیحیت کے وفادار تھے۔ وہ ڈنڈے کے زور پر اپنا مذہب نافذ کرنا چاہتے تھے، اس لیے انہیں ایسٹ افریقہ اور مکران کے ساحل پر مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مقابلے میں برطانیہ کے انگریزوں نے اپنے تجارتی اور اقتصادی مفادات سے قطع نظر مقامی لوگوں پر زبردستی اپنا مذہب ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی، اس لیے انہیں پرتگیزوں کے مقابلے میں اپنا نوآبادیاتی تسلط قائم کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

ماضی قریب کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ 14 اگست 1947ء کو برصغیر کی تقسیم کے بعد والیٔ قلات کی جانب سے بلوچستان کے دیگر حصوں کو، جو خان آف قلات کی عمل داری میں تھے، پاکستان میں شامل کرنے کے واضح اعلان کے باوجود گوادر دس سال تک سلطنت عمان کا حصہ رہا۔ پاکستان کے جنوب مغربی ساحل اور آبنائے ہرمز کے دہانے پر واقع اس بندرگاہ کو حکومت پاکستان نے ستمبر 1958ء میں مسقط سے خریدا اور گوادر 8 دسمبر 1958ء کو سرکاری طور پر پاکستان کا حصہ بنا۔ یکم جولائی 1977ء کو اسے ضلعے کا درجہ دیا گیا اور بعدازاں 2011ء میں بلوچستان کا سرمائی دارالحکومت بنادیا گیا۔

واضح رہے کہ گوادر اسٹیٹ' اٹھارھویں صدی کے خان آف قلات، میر نصیر نوری بلوچ کی ملکیت تھی، لیکن قبائل کی شورشوں کے باعث خان آف قلات کے لیے اس علاقے پر اپنا تسلط رکھنا کافی مشکل ثابت ہورہا تھا لہٰذا خان صاحب نے ایک معاہدے کے تحت اس علاقے کا کنٹرول گچکی قبیلے کے ہاتھ میں دے دیا تاکہ اس علاقے میں امن وامان کی فضا قائم رہے۔ معاہدے کے تحت طے پایا کہ ''گوادر کا مذکورہ علاقہ خان آف قلات کی جاگیر ہی میں شامل رہے گا اور اس کا نصف ریونیو بھی خان صاحب کو دیا جائے گا۔ تاہم اس کا انتظام گچکی قبیلہ سنبھالے گا'' لیکن پھر 1783ء میں عمان کا حکمران اپنے بھائی سے شکست کھا کر جب دربدر ہوا، تو اس نے خان آف قلات سے جائے پناہ کی درخواست کی، اس طرح ایک نئے معاہدے کے تحت 2400 مربع میل کا علاقہ سلطان آف عمان کو سونپ دیا گیا۔ نئے معاہدے کی رو سے یہ طے پایا کہ ''گوادر حسب دستور خان آف قلات کی جاگیر میں شامل رہے گا، جبکہ اس کا کنٹرول حسب سابق گچکی

سرداروں کے پاس ہی رہے گا، البتہ ریونیو کا نصف حصہ جو خان صاحب کو جاتا تھا، وہ خیر سگالی کے طور پر سلطان آف عمان کو دیا جائے گا''۔ پھر قریباً پندرہ سال بعد عمان پر دوبارہ فتح پانے کے بعد سلطان واپس اپنے پایۂ تخت لوٹ گیا، لیکن گوادر کو حسبِ معمول اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ کچھ عرصے بعد جب سلطان کا انتقال ہوگیا، تو خان صاحب کے ورثاء نے گوادر کی حوالگی کا مطالبہ کیا۔ حکومت عمان کے انکار پر انہوں نے بزورِ قوت قبضہ کرلیا، بالآخر اس معاملے کو نمٹانے کے لیے برٹش کالونیل ایڈمنسٹریشن نے ثالثی کے بہانے مداخلت کی اور اس وقت کے سلطان آف عمان سے اپنے لیے مراعات حاصل کر کے قلات خاندان کا دعویٰ یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ بعض دیگر گواہوں کے مطابق یہ علاقہ عرصۂ دراز سے سلطنت آف عمان کی جاگیر ہے۔ بہرحال حتمی فیصلہ کسی بھی فریق کے حق میں نہیں ہوا۔ برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ نے سلطنت آف عمان سے ایک معاہدے کے تحت گوادر کا انتظام سنبھال کر اپنی افواج گوادر میں داخل کردیں۔ یوں تقریباً سوا سو سال تک برطانیہ اس علاقے پر قابض رہا۔

قیامِ پاکستان کے بعد اس وقت کے خان آف قلات نے اپنی ریاست پاکستان میں ضم کرنے کا اعلان کیا، تو پاکستان نے گوادر کا معاملہ اُٹھایا مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ ان ہی دنوں ایک امریکی سروے میں بتا گیا کہ گوادر کی بندرگاہ بڑے جہازوں کے لنگر اندوز کے لیے آئیڈیل ہے۔ مزید برآں اس بندرگاہ سے سالانہ لاکھوں ٹن سمندری خوراک بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس بات کی بھنک جب ایران کو پڑی تو اس نے گوادر کو چابہار کے ساتھ ملانے کی کوششیں شروع کردیں۔ اس پس منظر میں 1956ء میں پاکستان کے معروف سیاست دان، ملک فیروز خان نون نے وزارت خارجہ کا منصب سنبھالتے ہی ہر قیمت پر گوادر کو واگزار کروانے کا عہد کیا اور باریک بینی سے تمام تاریخی حقائق واہم دستاویزات کا جائزہ لے کر یہ کیس برطانیہ کے سامنے رکھ دیا اس معاملے میں برطانیہ کے وزیراعظم میکملن نے کلیدی کردار ادا کیا۔ ان کی مداخلت پر عمان کے سلطان سعید بن تیمور نے حامی تو بھرلی، مگر سودے بازی کا عندیہ دیا۔ پھر فیروز خان نون نے جب وزارت عظمیٰ کا منصب سنبھالا، تو انہوں نے گوادر کے معاملے میں ''ابھی یا کبھی نہیں'' کا نعرہ لگایا اور بالآخر 6 ماہ کے اعصاب شکن مذاکرات کے بعد عمان نے تین ملین ڈالر کے عوض گوادر کا قبضہ پاکستان کے حوالے کرنے پر رضامندی ظاہر کردی۔ مذکورہ رقم کا بڑا حصہ پرنس کریم آغا خان

نے بطور چندہ دیا جبکہ باقی رقم حکومت پاکستان نے ادا کی۔

اس سلسلے میں ملک فیروز خان نون اپنی خودنوشت سوانح حیات ''چشم دید'' میں لکھتے ہیں کہ ''جہاں ملک کی حفاظت اور وقار کا مسئلہ درپیش ہو، وہاں قیمت نہیں دیکھی جاتی۔ ویسے بھی یہ رقم گوادر کی آمدنی سے محض چند سال میں ادا ہو جائے گی۔ آج جب برطانیہ میں پاکستان کے ہائی کمشنر اکرام اللہ نے گوادر منتقلی کی دستخط شدہ دستاویز ہمارے حوالے کیں، تو اس وقت ہمیں جو خوشی ہوئی آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ گوادر جب تک ایک غیر ملک کے ہاتھ میں تھا تب تک ہمیں یوں محسوس ہوتا تھا گویا ہم ایک ایسے مکان میں رہ رہے ہیں جس کا عقبی کمرہ کسی اجنبی کے تصرف میں ہے اور یہ اجنبی کسی وقت بھی اسے ایک پاکستان دشمن کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے اور وہ دشمن بھی اس سودے کے عوض بڑی سے بڑی رقم ادا کر سکتا ہے۔'' یوں دو سال کی بھرپور سفارتی جنگ کے بعد بالآخر 8 ستمبر 1958ء کو گوادر کا 2400 مربع میل یعنی 15 لاکھ ایکڑ سے زائد رقبہ پاکستان کی ملکیت میں شامل ہو گیا۔ صدر پرویز مشرف نے اپنے دور حکومت میں گوادر پورٹ تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا، جو مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اب سی پیک (چین، پاکستان اقتصادی راہ داری) کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ بلاشبہ یہ پاکستان کے لیے ایک روشن مستقبل کی نوید ہے۔ آج ہر کوئی گوادر پورٹ اور سی پیک کا کریڈٹ تو لینا چاہتا ہے، مگر اس عظیم محسن کا نام کوئی نہیں لیتا، جس نے دنیا کے چار طاقت ور اسٹیک ہولڈرز، برطانوی پارلیمنٹ، سی آئی اے، ایران اور عمان سے چومکھی لڑائی لڑ کر کھویا ہوا گوادر واپس پاکستان کی جھولی میں ڈال دیا۔ گوادر اب پاکستان کا حصہ ہے۔ یہاں گہرے پانی کی بندرگاہ کی تعمیر ہو چکی ہے۔ سی پیک کے ذریعے چین کے شہر، کاشغر سے گوادر تک اقتصادی راہ داری کی بات ہو رہی ہے۔ آئندہ برسوں میں گوادر ایک بڑا صنعتی اور تجارتی حب بننے والا ہے۔

دوشاہین بچے.....عالمِ اسلام کا فخر

حضرت معوّذ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کا ایمان افروز واقعہ

فتح محمد

(ماہنامہ ہونہار، لاہور، جون 2021ء)

اسلام اور کفر کی پہلی جنگ زور وشور سے جاری تھی۔ ایک طرف ابلیسی لشکر تھا جو کیل کانٹے سے لیس تھا جبکہ دوسری طرف توحید و رسالت کے مٹھی بھر متوالے تھے، جن کے پاس سامانِ جنگ کے نام پر چھے زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔

تھے ان کے پاس دو گھوڑے، چھے زرہیں، آٹھ شمشیریں
بدلنے آئے تھے لیکن زمانے بھر کی تقدیریں
نہ سوز و ساز پر تکیہ، نہ خنجر پر، نہ بھالے پر
بھروسا تھا تو اک سادہ سی کالی کملی والے پر

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جن کا شمار بڑے مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں غزوہ بدر کی لڑائی میں میدانِ بدر میں لڑنے والوں کی صف میں کھڑا تھا۔ میرے دائیں بائیں انصار کے دو لڑکے معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما کھڑے تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ اگر میں ان دو لڑکوں کی بجائے مضبوط اور جوان لوگوں کے درمیان ہوتا تو ضرورت کے وقت ہم ایک دوسرے کی مدد کر سکتے۔ اتنے میں ان دونوں لڑکوں میں سے ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا:

''چچا جان! اس وقت ابوجہل کہاں ہے؟ ہمیں ابوجہل دکھا دو۔''

میں نے کہا: ''تم اس کا پتہ کیوں پوچھتے ہو؟ تم اس کو دیکھ کر کیا کرو گے؟''

اس لڑکے نے کہا: ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخیاں کیا کرتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس گستاخ کو دیکھ لوں اور اس وقت تک اس سے جدا نہ ہوں گا کہ وہ مر جائے یا میں مر جاؤں۔''

قسم کھائی ہے مر جائیں گے یا ماریں گے ناری کو
سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوبِ باری کو

اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بڑی حیرانی ہوئی۔ پھر دوسرے لڑکے نے بھی یہی سوال کیا جو پہلے لڑکے نے کیا تھا۔

جنگ بدر 17 رمضان سن 2 ہجری میں لڑی گئی۔ مسلمانوں کو مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ نبی کریم ﷺ کی قیادت میں ہجرت کو صرف دو سال کا عرصہ ہوا تھا اور ابوجہل کا مستقل قیام مکہ میں تھا۔ اس لیے مدینہ کے رہنے والے خصوصاً وہاں کے انصار بچے ابوجہل اور اس کی اسلام دشمنی سے تو واقف تھے لیکن ابوجہل کو کبھی دیکھا نہیں تھا اور نہ شناخت کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ اس دشمن اسلام کا پتہ پوچھ رہے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے بھتیجو!

حفاظت کر رہا ہے گرد اس کے فوج کا دستہ

بچوں نے عرض کیا: یہ دستہ کب تلک روکے گا عزرائیل کا رستہ؟

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی نشاندہی کی تو عشقِ رسول ﷺ سے سرشار بچے عقابوں کی طرح اس پر جھپٹ پڑے۔ ابوجہل اس وقت زرہ پوش جنگجوؤں کے گھیرے میں تھا لیکن اللہ کے شیروں کے سامنے ان کی حیثیت ہی کیا تھی؟ دونوں باہمت بچوں نے آن کی آن میں گھیرا توڑ ڈالا۔ ابوجہل نے بچنے کی پوری کوشش کی لیکن دونوں شیر دل شہبازوں نے ایسے بھرپور وار کیا کہ ابوجہل صرف چند سانسوں کا مہمان رہ گیا۔ بچوں نے سمجھا کہ ہم نے اسے مار ڈالا ہے۔

جب کفار نے اپنے سردار کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھا تو جوشِ غضب میں بچوں پر ٹوٹ پڑے۔ چاروں طرف سے ان پر تلواریں چلنے لگیں۔ دونوں بچوں نے بڑی بے جگری اور شجاعت سے مقابلہ کیا۔ آخر ایک بچہ حضرت معوذ رضی اللہ عنہ لڑتے لڑتے شمعِ رسالت پر قربان ہو گیا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی لڑ رہے تھے کہ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے تلوار سے اس کے بائیں شانے پر وار کیا، جس سے بازو مکمل طور پر نہ کٹنے کی وجہ سے لٹکنے لگا۔ لیکن قربان جائیں اس شیر دل مجاہد کے کہ اس نے اس حالت میں بھی جہاد جاری رکھا۔ بازو جو لٹک رہا تھا، وہ لڑنے میں حائل ہو رہا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسے پاؤں کے نیچے رکھ کر اس زور سے کھینچا کہ جسم سے الگ ہو گیا۔ اب وہ ایک ہی ہاتھ سے میدانِ کارزار میں لڑ رہے تھے۔ بعض تاریخ کی کتب میں درج ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑا آگے دوڑایا اور اس کا کٹا ہوا بازو اٹھا کر اس کے کندھے کے ساتھ رکھا اور اپنا لعابِ دہن مبارک لگایا تو اللہ کے کرم سے اس کا بازو ٹھیک ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بھی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ اس غزوہ میں 70 مشرکین واصلِ جہنم ہوئے اور 70 جنگی قیدی بنائے گئے۔ جبکہ 14 مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ جن میں 6 مہاجر اور 8 انصار تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگِ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی ابوجہل کی خبر لائے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ عفرا کے بیٹوں حضرت معوّذ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما نے اسے مار مار کر بے دم کر دیا تھا۔ تاہم ابھی اس کا سانس اٹکا ہوا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کے سینے پر چڑھ گئے اور اس کی ناپاک داڑھی کو پکڑ کر کہا کہ کیا تو ابوجہل ہے؟ اب بتا تجھے اللہ نے رسوا نہیں کیا؟

ابوجہل نے جواب دیا: ''مجھے قتل کرنا اس سے زیادہ نہیں کہ ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر ڈالا۔ کاش مجھے کسان کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا!''۔

حضرت معوّذ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما انصار میں سے تھے اور انصار کھیتی باڑی کا کام کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لاش دیکھ کر فرمایا: ''یہ اُمت کا فرعون ہے۔''

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

کہانیاں اور بچوں سے کتابوں کا رشتہ

مشرف علی فاروقی

(بشکریہ ہفت روزہ فرائیڈے اسپیشل، کراچی 27 دسمبر 2019ء)

''کیا آپ کو وہ دن یاد ہے جب اسکول میں کسی ٹیچر نے کوئی کہانی سنائی ہو؟''

کہانیوں کے فوائد گنواتے ہوئے میں لوگوں سے یہ سوال اکثر پوچھتا ہوں۔ تھوڑی دیر تک میرے مخاطب کے چہرے پر ایک خوشگوار تاثر پھیل جاتا ہے جس دوران اس کا ذہن اپنے بچپن پر کہیں نقش ایک خوشگوار یاد ڈھونڈ کر اس سے دوبارہ محظوظ ہو رہا ہوتا ہے۔ کہانیاں اور ان کو سننے کا تجربہ ہمیں بیسیوں سال گزر جانے پر بھی نہیں بھولتا۔

کسی بھی صحت مند معاشرے میں بچوں اور کتابوں میں ایک قدرتی ربط ہوتا ہے، بچوں کا ادب جو کسی بھی ادب کا اہم ترین سرمایہ ہوتا ہے، اس ربط کے ذریعے بچوں تک بآسانی اور مسلسل منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں نانی، دادای کی سنائی گئی لوک کہانیاں بھی شامل ہیں والدین کی پڑھ کر سنائی گئی ان کی پسندیدہ کہانیاں بھی، اور وہ پرانے قصے اور نئی کہانیاں بھی جو رسالوں اور بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں میں شائع ہو کر دکانوں اور لائبریریوں کے ذریعے بچوں تک پہنچتی ہیں۔ ان وسیلوں میں اب آن لائن ذرائع کو بھی شامل کر لیں۔ غرض ایسے معاشرے میں کہانیوں کی دنیا کبھی بھی بچوں کی پہنچ سے دور نہیں ہوتی۔ یہ کہانیوں کی دنیا بچوں کو پڑھنے کا شائق بناتی ہے، وہ اس کے ذریعے زبان اور اس کی خوبصورتی سے غیر محسوس طور پر متعارف اور ادبی ذوق سے آشنا ہوتے ہیں۔ زبان کو سمجھنے اور اس کے استعمال پر مہارت اگر ایک طرف مختلف علوم میں ان

کی خود آموزی کی سہولت بڑھاتی ہے تو دوسری طرف ادب سے آشنائی ان کی نظروں سے انسان اور اس کی مجبوریوں اور کمزوریوں پر پڑا پردہ اٹھانے لگتی ہے۔ جب یہ پردہ ایک دفعہ اُٹھ جاتا ہے تو وہ دوسرے انسانوں کو ہمدردی کی نظر سے دیکھنے اور خود اپنی خامیاں تسلیم کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ یہی ادب کی سب سے بڑی اور اہم ترین تعلیم ہے۔

اب ذرا بتائیں کہ جس معاشرے کا اوپر ذکر کیا گیا ہے وہ ہمارے اپنے معاشرے سے کتنی مماثلت رکھتا ہے؟ خیر، آج کل حالات ہر جگہ دگرگوں ہیں۔ اچھی بات یہ ہے کہ ہمارے بچوں اور کتابوں کے درمیان ربط اور زبان سے ان کے رشتے کو بآسانی بحال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ ربط اتنے عرصے سے ٹوٹا ہوا ہے کہ اب یہ صرف دلچسپ کہانیاں شائع کرنے سے پوری طرح نہ جڑ پائے گا، اور نہ ہی یہ مسئلہ اردو کتابوں کی خوبصورت طباعت سے حل ہوگا۔ ان دونوں چیزوں کا تجربہ میں کئی دفعہ کر چکا ہوں۔ آپ بچوں کے سامنے کسی دیدہ زیب ایڈیشن میں چھپی اردو میں لکھی کوئی دلچسپ کہانی رکھ دیں۔ عموماً بچے اس کتاب کو سونگھ سانگھ کر چھوڑ دیں گے۔ کوئی کوئی بچہ اسے ایک آدھ دفعہ پڑھ لے گا، لیکن وہ کہانی ان کی زندگی کا ایک اہم حصہ نہ بن پائے گی۔

اردو پڑھانے کے مروّج غیر دلچسپ طریقوں، اعلیٰ درجے کے اسکولوں میں اردو زبان اور اس کے پڑھانے والے اساتذہ کی ثانوی حیثیت، اور اسکولوں کے لیے اردو نصاب مرتب کرنے والے حضرات کی کوڑھ مغزی اور کور ذوقی نے یہ بات یقینی بنا دی ہے کہ اردو کا نام آتے ہی بچے بدک جائیں۔

تو آخر وہ کون سی جادو کی چھڑی ہے جس کو ہلاتے ہی یہ معاملات ٹھیک ہو سکتے ہیں؟ آپ یقین کریں یا نہیں، یہ ربط بچوں کو کہانی سنانے کے آسان عمل سے تمام و کمال جڑ سکتا ہے اور اگر یہ کہانیاں اس طریقے سے سنائی جائیں کہ بچوں کی اس عمل میں شمولیت بھی ہو تو اس کی افادیت مزید بڑھ جاتی ہے۔

آپ میں سے کچھ لوگ شاید اس بات سے واقف ہوں کہ میں بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے انگریزی میں کہانیاں لکھتا اور اردو کلاسیکی ادب کا انگریزی میں ترجمہ کرتا ہوں اور کچھ سال سے اسٹوری کٹ کے نام سے جاری ایک پروگرام کے ذریعے میں اردو اور پاکستان کی دیگر

زبانوں کی لوک کہانیوں کو شائع کرتا اور سناتا بھی ہوں۔

اس کام میں اب ایک پوری ٹیم میرے ساتھ ہے جو مختلف اسکولوں میں بچوں کو اردو میں کہانیاں سناتی ہے اور اس کے بعد انھیں ان کہانیوں کو کتابی شکل میں متعارف کرواتی ہے۔ اسٹوری کٹ کے ڈبے میں کہانی کے پلاٹ پر مبنی ایک کھیل اور کہانی کی آڈیو ریکارڈنگ بھی شامل ہوتی ہے۔ اس پروگرام کے دوران ہزاروں بچوں کو کہانیاں سنانے کے عمل میں ہم نے کئی اہم چیزوں کا مشاہدہ کیا جو بار بار ہمارے تجربے میں آئیں۔ ہمارے یہ تجربات امیر اور غریب اسکولوں میں یکساں رہے۔ ہم نے دیکھا کہ جب بچے ایک ساتھ بیٹھ کر کہانی سنتے ہیں تو سننے کے دوران کہانی کے وقوعات اور اس کے کرداروں کو تصور کرنے سے کہانی میں ان کی دلچسپی بڑھتی ہے۔ یہ شرط البتہ ہے کہ کہانیاں اور اُن کے کردار دلچسپ ہوں اور انھیں پڑھنے والے کی تفریح اور مزے کی غرض سے لکھا گیا ہو، لٹھ مار انداز میں بچوں کو کوئی سبق سکھانے کے لیے نہیں۔

جب بچے اپنے ہم مکتبوں کو اس کہانی سے محظوظ ہوتا دیکھتے ہیں جس میں ان کو خود مزا آ رہا ہوتا ہے تو اس میں ان کی دلچسپی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

ہم نے اس بات کو بھی ہر جگہ دیکھا کہ کوئی دلچسپ کہانی سننے کے بعد بچوں میں تجسّس پیدا ہوتا ہے کہ وہ اس کہانی کو خود پڑھیں۔ کہانی سنانے والے نے جس دنیا سے ان کو متعارف کروایا ہے اب وہ اس دنیا میں خود بحیثیت قاری داخل ہونا چاہتے ہیں۔

اب سوال اُٹھے گا کہ بچوں کے لیے موزوں اور دلچسپ کہانیاں کہاں سے مہیا ہوں؟ اس مسئلے کا حل بہت آسان ہے۔ اردو میں بچوں کے ادب کا ایک بڑا حصہ بچوں کے رسائل میں موجود ہے۔ پاکستان کی اپنی علاقائی زبانوں کا لوک ادب بچوں کے لیے موزوں کہانیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں بچوں کے عالمی ادب کو اردو اور دیگر ملکی زبانوں میں ترجمہ کرنا چاہیے تاکہ ہمارے بچے اپنی دنیا کے دیگر باسیوں اور ان کی کہانیوں سے متعارف ہو سکیں۔ متون کے اس مجموعے سے ہم اعلیٰ درجے کا ایک پروگرام مرتب کر سکتے ہیں جو ہمارے بچوں کو کہانیوں کی دنیا میں واپس لا سکے۔ اردو کی ایک اچھی سی کہاوت ہے کہ نیک کام میں دیر کیسی؟

اذان حق کے خلاف ہنگامہ کیوں برپا؟
گھریلو تشدد (Domestic Violence)
بل پر خوشی کے شادیانے بجانے والے کون؟

ابو فیصل محمد منظور انور

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ (سورۃ الحشر:02) پس عبرت حاصل کرو۔اے آنکھوں والو!

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیراعظم عمران خان نے ابھی چند روز پہلے ایک غیر ملکی ٹی وی چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ''عورت مختصر کپڑے پہنے گی تو مردوں پر اثر تو پڑے گا''۔ عمران خان نے کہا کہ عورت کا چھوٹا لباس مرد کو بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ کہنا تھا تو لبرل میڈیا اور فحاشی کی دلدادہ عورتیں عمران خان کے خلاف میدان میں کود پڑی ہیں اور میڈیا پر طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا گیا۔ بے حیائی پھیلانے والے عناصر کا پہلا کمینہ پن حال ہی میں ہونے والا پاکستانی ایوارڈ شو تھا جس میں ذُرّیت ابلیس پاکستانی اداکاراؤں نے فحش لباس پہن کر انتہائی بے حیائی کا مظاہرہ کیا۔ یہ ایک مسلم معاشرے کی مسلمان خواتین ہیں، ان کے عریاں لباس دیکھ کر لگ رہا تھا کہ یہ اسلامی جمہوریہ پاکستان نہیں ہے بلکہ یورپ کا کوئی لادین ملک ہے۔ پاکستانی شوبز کی فلمی اداکارائیں بھارتی ثقافت اور فلموں کی نقالی میں بے حیائی کی تمام حدیں پار کر چکی ہیں۔ جبکہ وزیراعظم پاکستان دین اسلام کا علم بلند کر کے دنیا کو یہ بتا رہے ہیں کہ مسلمان ایک باحیا غیرت مند قوم ہے۔ عورت کے لئے پردہ کرنا لازم ہے وہ پاکستان کو ریاست مدینہ جیسی ریاست بنانے کی بات بڑے تواتر کے ساتھ مسلسل کہتے نظر آتے ہیں وہ تو پاکستان کو ریاست مدینہ بنانے کے خواب

دیکھ رہے ہیں اور یہاں لبرل وسیکولر عورتیں اور ان کے پرستار وزیراعظم کے مقابلے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر پاکستان میں فحاشی عام کرنے میں مصروف ہیں۔ ہمارا بے غیرت، بکاؤ میڈیا ان کو کوریج دے کر عریانی فحاشی اور لبرلزم کو پروموٹ کر رہا ہے۔ میڈیا اور شوبز کے چند گنتی کے بے حیا لوگ پاکستان کو ریاست مدینہ نہیں بلکہ ایک فحش اور لادین ملک بنانے کے لئے سرگرم ہیں۔ آئے روز ان کی بیہودہ سرگرمیاں عام ہو رہی ہے اسے فی الفور روکا جانا چاہیے۔ گندی سٹوریز پر مبنی ڈرامے اور فلمیں فوراً بند کی جائیں۔ فحاشی پھیلانے والی اداکاراؤں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔ جنھیں عریانی فحاشی پر مبنی یورپی ثقافت اپنانے کا شوق ہے وہ ملک سے باہر یورپی ممالک میں تشریف لے جائیں۔ ملک پاکستان مٹھی بھر گمراہ عناصر کی بے ہودگی اور لادینیت کے پرچار کیلئے نہیں۔ بلکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان اسلام کے نفاذ کے وعدے پر معرض وجود میں آیا ہے۔

پاکستان میں بڑھتے ہوئے ریپ کیسز اور جنسی تشدد پر پوری پاکستانی قوم پریشان ہے ان حالات میں عمران خان نے پاکستانی خواتین کو ایسا لباس پہننے کا کہا جس سے دیکھنے والوں کی نگاہوں پر اثر نہ پڑے اور باپردہ لباس پہننے کی ترغیب دی۔ تو ایک مخصوص لادین، بے حیائی کے دلدادہ طبقے کی طرف سے ہنگامہ برپا کر کے نجانے دنیا کو کس قسم کے مسلم معاشرے کیا پیغام دیا جا رہا ہے اور وزیراعظم کو بے جا تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ اس تنقید میں بغض عمران خان میں اپوزیشن کے اکثر لوگ اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ وہ سیاسی مخالفت میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی صریحاً خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں جبکہ ٹی وی چینلز کے بعض اینکرز بھی کسی خفیہ طاقت کے اشارے پر اس پروپیگنڈہ کا حصہ بن کر قوم کو گمراہ کرنے اور اپنی عاقبت خراب کرنے میں مصروف ہیں۔ ایک معروف اینکر جو ایک فلمی اداکار کا بیٹا ہے نے اپنے پروگرام میں لباس بارے وزیراعظم کے بیان کو متنازعہ بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ کسی طرح وہ ثابت کر سکے کہ یہ بیان عورتوں کی آزادی کے خلاف ہے۔ وہ یہ بھی کہہ گیا کہ یہ کوئی اسلامی ملک نہیں جس میں اسلام نافذ ہے۔ اس کیساتھ بیٹھے مسلم لیگ ن کے ترجمان نے عمران خان کی دشمنی میں یہاں تک کہہ دیا کہ لباس بارے عمران خان کا بیان عورتوں کی توہین ہے۔ مگر دونوں اپنی مرضی کا جواب لینے میں ناکام رہے اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ ن کی رہنماء سمیت دیگر

کئی سیاسی جماعتوں کے مرد وخواتین اور ٹی وی اینکرز باقاعدہ منظّم طریقے سے اس بیان پر تنقید کر رہے ہیں۔ جبکہ سوشل میڈیا اور اخبارات میں بھی اس بیان پر بڑی لے دے اور تو تکار ہو رہی ہے۔ عوام کی اکثریت کے مطابق تو یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان نے ملک میں خواتین سے ریپ وجنسی تشدد کے اسباب اور ان کی روک تھام کیلئے اسلامی نقطہ نظر کے عین مطابق ایک صائب مشورہ دیا ہے۔ پاکستانی قوم کی غالب اکثریت عمران خان کے بیان سے اتفاق کرتی ہے کہ جنسی بے راہروی کا ایک سبب خواتین کا نیم عریاں لباس پہن کر گھروں سے باہر بازاروں اور دیگر پبلک مقامات پر آنا ہے۔ جب کوئی بارہ چودہ برس کی بچی یا بیس بائیس سال کی نوجوان لڑکی یا اس سے بڑی عمر کی عورت کھلے گلے بغیر بازو کی قمیض بغیر دوپٹہ اوڑھے اور جین کی تنگ پتلون یا تنگ چوڑی دار پاجامہ پہن کر باہر نکلے گی تو وہ مردوں کی نگاہوں کا مرکز تو بنے گی۔ جس سے خرابی کا آغاز ہوتا ہے اور پھر عورتوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ، زبردستی اور زیادتی کے واقعات رونما ہونے کے زیادہ چانسز ہوں گے۔ پاکستان میں ریپ کے بڑھتے ہوئے واقعات کی بنیادی وجوہات میں چینلز پر دکھائے جانے والے عریاں ڈرامے، فحاشی پر مبنی پروگرام اور عورتوں کا عریاں لباس میں ہونا بھی شامل ہے۔ لادین مغربی دنیا تو سرے سے عورتوں کے جسم پر لباس ہی نہیں دیکھنا چاہتی۔ مغرب تو بے حیائی اور عریانی وفحاشی کو پورے عالم اسلام میں پھیلانے کیلئے کوشاں ہے۔ میرا جسم میری مرضی والیاں بھی اس مغربی ثقافت کو عام کرنے والوں کا حصہ ہیں جو اس وقت لادینیت کی پرچارک بنکر پوری دنیا کو اپنی غلیظ اور بے راہروی پر مبنی مغربی ثقافت کو عام کرنے میں مصروف ہیں۔ دراصل یہ ابلیسی ایجنڈہ ہے جس کی تکمیل کے لئے پورا مغرب یکسو ہے۔ شیطان مردود ابلیس نے دنیا کے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالنے کے لئے اسے بے لباس کروایا تھا۔ جس کی سزا دنیائے انسانیت ہزاروں سالوں سے بھگت رہی ہے اور نجانے کب تک بھگتے گی۔

قرآن مجید فرقان حمید میں سورۃ النور: آیت 31 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کو بھی محفوظ رکھیں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ ہے، بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور ایمان والی عورتوں سے کہہ

دو کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو جگہ اس میں سے کھلی رہتی ہے، اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ یا خاوند کے باپ یا اپنے بیٹوں یا خاوند کے بیٹوں یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنے غلاموں پر یا ان خدمت گاروں پر جنہیں عورت کی حاجت نہیں یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ کی چیزوں سے واقف نہیں، اور اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ ماریں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے، اور اے مسلمانو! تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم نجات پا سکو'۔

دوسری طرف ایوان بالا سینٹ نے (Domestic Violence) گھریلو تشدد کی روک تھام کا بل 21 جون 2021ء کو منظور کر لیا ہے۔ اب قومی اسمبلی میں بھی اس کی منظوری یقیناً ہو جائے گی۔ اس بل کی پیش کار شیریں مزاری نے کہا ہے کہ ہم اسے اقوامِ متحدہ کے قوانین کی پاسداری میں بنا رہے ہیں۔ پاکستان جیسے مسلمان معاشرے میں ایسے قانون کے نفاذ کا مقصد مضبوط خاندان کی تباہی کے برابر ہے۔ سینٹ کے اراکین نے اس بل کو آناً فاناً منظوری سے سرفراز فرما کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کو اسلامی اقدار اور ملکی روایات کی قطعاً پرواہ نہیں ہے اور انھیں اخلاق و تہذیب و شرافت کو ملیامیٹ کرنے والی ہر طرح کی قانون سازی کرنے میں کوئی عار یا ہچکچاہٹ نہیں ہے۔ اب عورت مارچ ایجنڈا قانون بن گیا، والدین ہونا جرم۔ آزاد خیال معاشرے کے قیام کیلئے اراکین سینٹ نے کمال یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کثرت رائے سے بل کو منظور کر لیا اور کسی نے ایک دوسرے کو این آر او کے طعنے دے اور نہ ایک دوسرے کو گالیاں دیں۔ دراصل ایسے قوانین دنیا بھر کے ممالک میں تہذیبی، اخلاقی اور معاشرتی عمارت یعنی خاندان کی بنیادوں کو ہلانے اور آخر کار اسے مسمار کرنے کے لئے نافذ کیے جاتے ہیں۔ پاکستان میں خاندانی نظام کی مضبوط عمارت کو گرانے والوں میں پاکستان کی تمام سیاسی پارٹیوں نے مشترکہ طور پر حصہ ڈالا ہے۔ ایوان میں صرف جماعت اسلامی کے سینیٹر مشتاق احمد نے احتجاج کی آواز بلند کی مگر اس کے احتجاج کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس اسلامی اقدار کے منافی بل کو منظور کر لیا گیا۔ اس قانون کے نفاذ کے بعد آئندہ آنے والے دنوں کا نقشہ کھل کر سامنے آجائے گا۔ گھریلو تشدد

میں ایسے تمام افعال شامل ہوں گے جو کسی گھر میں عورت، بچے یا نقصان پہنچائے جانے کے قابل شخص پر جسمانی، جذباتی، نفسیاتی، جنسی یا معاشی بدسلوکی کا باعث بن رہے ہوں۔ ایسا شخص گھر کے کسی بھی رشتے دار کو خوف کا شکار کرتا ہو، جسمانی طور پر نقصان پہنچاتا ہو یا نفسیاتی طور پر پریشان کرتا ہو۔ فرد کی آزادی، ذاتی خلوت (Privacy) یا اس کی سلامتی خطرے میں آجائے اس شق کے تحت اگر کوئی باپ اپنی اولاد سے شدت کی محبت کرتے ہوئے اسے غلط کام کرنے پر ٹوکتا ہے اور وہ اولاد اسے اپنی زندگی میں دخل اندازی محسوس کرتی ہے تو پھر وہ بیٹا یا بیٹی اپنے والد کے بتائے ہوئے اخلاقی، مذہبی یا معاشرتی بندھنوں کے خلاف باپ پر مقدمہ کرسکتی ہے۔ اگر کوئی فرد گھر میں کسی کا مذاق اڑاتا ہے، اس کی توہین کرتا ہے تو ماں، باپ، بھائی یا بہن کسی کے خلاف بھی مقدمہ درج ہوسکتا ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی یا گھر کے کسی دوسرے شخص کو کہتا ہے کہ میں تمہیں ماروں گا یعنی اگر آپ اولاد کو ڈرانے کے لیے بھی مارنے کا کہتے ہیں تو یہ ایک جرم ہوگا۔ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ میں تمہیں طلاق دے دوں گا یا دوسری شادی کرلوں گا اور بیوی پر بانجھ پن یا پاگل پن کے جھوٹے الزامات لگاتا ہے تو ایسے دھمکی آمیز الفاظ بھی منہ سے نکالنے پر بھی مقدمہ ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ کسی باپ کو آپ صرف اس بات پر بھی عدالت کے کٹہرے میں لاکر کھڑا کرسکتے ہیں کہ اس نے اپنی اولاد کے بارے میں اتنی سی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ کہیں غلط ہاتھوں میں آکر نشہ وغیرہ کی عادی تو نہیں ہوگئی ہے۔ اس قانون کے تحت گھر کا کوئی بھی ناراض شخص عدالت میں درخواست دے سکے گا اور عدالت اس سے پہلا سوال یہ کرے گی کہ تم اس باپ، ماں، خاوند یا بیوی کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنا چاہتے ہو یا نہیں۔ اگر وہ نہ کردے تو عدالت ملزم کو حکم دے گی کہ وہ اسے علیحدہ گھر لے کر دے یا اگر وہ ایسا نہ کرسکتا ہو تو پھر عدالت اسے کسی دارالامان وغیرہ بھیج دے گی۔ اگر عدالت کو اس درخواست کے آغاز میں ہی یہ اندازہ ہوجائے کہ ملزم کے خلاف مقدمہ درست بنتا ہے تو وہ ایک عارضی حکم جاری کرے گی جس کے تحت ملزم سے کہا جائے گا کہ وہ درخواست گذار سے براہ راست یا فون اور موبائل پر بات چیت بھی نہیں کرسکتا۔ ایسے ملزم کو درخواست گزار سے دور رکھنے کے لئے اس کے ہاتھ میں ایک پٹہ پہنا دیا جائے گا۔ جس میں ایک جی پی ایس ٹریکر لگا ہوگا، تاکہ معلوم ہوسکے کہ ملزم کہیں عدالت کے حکم کی

خلاف ورزی تو نہیں کر رہا۔ عدالت اپنے احکامات کی نگرانی کے لیئے علاقے کے تھانے کے ایس ایچ او کی ذمہ داری لگائے گی۔ یہ قانون سینیٹ نے 21 جون 2021ء کو منظور کر لیا ہے اب قومی اسمبلی میں بھی اس کی منظوری یقیناً ہو جائے گی۔ اس بل کی پیش کار شیریں مزاری نے کہا ہے کہ ہم اسے اقوامِ متحدہ کے قوانین کی پاسداری میں بنا رہے ہیں۔ پاکستان جیسے مسلمان معاشرے میں ایسے قانون کے نفاذ کا مقصد مضبوط خاندان کی تباہی کے برابر ہے۔

ملک بھر کی دینی و مذہبی جماعتوں کی سرکردہ شخصیات، علماء کرام اور سنجیدہ حلقوں نے سیاسی اختلافات کے باوجود عمران خان کے عورتوں کے لباس بارے بیان کو خوش آئند اور قرآن وسنت کے عین مطابق قرار دیتے ہوئے اس کی ستائش کی ہے اور کہا ہے کہ یہ صرف بیان بازی تک محدود نہیں رہنا چاہیئے بلکہ مطالبہ کیا ہے کہ ملک میں عریاں لباس پہننے کو جرم قرار دے کر بذریعہ قانون روکنے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ تاکہ خواتین کے ساتھ ہونیوالے ریپ اور جنسی تشدد کے واقعات کو روکا جا سکے۔ عورتوں کے لباس اور پردے بارے احکامات الٰہی کے خلاف حرف زنی کرنا۔ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی پاکستانی عوام کی اکثریت کی طرف سے گھریلو تشدد بل کو خاندانی نظام کی تباہی کا پیش خیمہ قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اس بل کو قومی اسمبلی میں پاس نہ کر کے ہمارے مضبوط خاندانی نظام کی عمارت کو منہدم ہونے سے بچا لیا جائے ان مٹھی بھر گمراہ عناصر کی خواہشات کو اکثریت کی رائے بنانے والوں کے پروپیگنڈہ کا حصہ مت بنیں، یہ عاقبت نااندیش عناصر گمراہی کی دلدل میں گر چکے ہیں اور دوسروں کو بھی اس میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ احکاماتِ الٰہی کی خلاف ورزی پر اللہ تعالیٰ کی گرفت آنے سے قبل یہ عناصر توبہ وتائب ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی خطا کی معافی مانگیں۔

؎ آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تُو، رہرو بھی تُو، رہبر بھی تُو، منزل بھی تُو

یمن کے بادشاہ تُبّع خمیری کا خط

(بشکریہ ماہنامہ غزالی پشاور، جنوری 2021ء)

حضورِ پاک ﷺ کی ولادت مبارکہ سے ہزار سال بیشتر یمن کا ایک بادشاہ گزرا جس کا نام تبع خمیری تھا (سورۃ ''ق'' میں قومِ تبع والی آیت میں اسی تبع قوم کا تذکرہ ہے)۔ ایک مرتبہ وہ اپنی سلطنت کے دورہ کو نکلا۔ بارہ ہزار علماء وحکماء، ایک لاکھ بتیس ہزار سوار اور ایک لاکھ تیرہ ہزار پیادہ اپنے ہمراہ لیے ہوئے اس شان سے نکلا کہ جہاں بھی پہنچتا اس کی شان وشوکت شاہی دیکھ کر مخلوق خدا چاروں طرف نظارے کو جمع ہو جاتی تھی۔ یہ بادشاہ جب دورہ کرتا ہوا مکہ معظّمہ پہنچا تو اہل مکہ سے کوئی اسے دیکھنے نہ آیا۔ بادشاہ حیران ہوا اور اپنے وزیر سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس شہر میں ایک گھر ہے جسے بیت اللہ کہتے ہیں، اس کی اور اس کے خادموں کی جو یہاں کے باشندے ہیں تمام لوگ بے حد تعظیم کرتے ہیں اور جتنا آپ کا لشکر ہے اس سے کہیں زیادہ دور اور نزدیک کے لوگ اس گھر کی زیارت کو آتے ہیں اور یہاں کے باشندوں کی خدمت کر کے چلے جاتے ہیں۔ پھر آپ کا لشکر ان کے دھیان میں کیوں آئے گا۔

یہ سن کر بادشاہ کو غصہ آیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں اس گھر کو کھدوا دوں گا اور یہاں کے باشندوں کو قتل کروا دوں گا۔ یہ کہنا تھا کہ بادشاہ کے ناک، منہ اور آنکھوں سے خون بہنا شروع ہو گیا اور ایسا بدبودار مادہ بہنے لگا کہ اس کے پاس بیٹھنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ اس مرض کا علاج کیا گیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ شام کے وقت شاہی علماء میں سے ایک عالم ربانی تشریف لائے اور نبض دیکھ فرمایا: ''مرض آسمانی ہے اور علاج زمین کا ہو رہا ہے، اے بادشاہ! آپ نے اگر کوئی بری نیت کی ہے تو

فوراً اس سے توبہ کریں۔'' بادشاہ نے دل ہی دل میں بیت اللہ شریف اور خدام کعبہ کے متعلق اپنے ارادے سے توبہ کی۔ توبہ کرتے ہی اس کا وہ خون اور مادہ بہنا بند ہو گیا اور پھر صحت کی خوشی میں اس نے بیت اللہ شریف کو ریشمی غلاف چڑھایا اور شہر کے ہر باشندے کو سات سات اشرفی اور سات سات ریشمی جوڑے نذر کیے۔

پھر یہاں سے چل کر مدینہ منورہ پہنچا تو ہمراہی علماء نے جو کتبِ سماویہ کے عالم تھے، وہاں کی مٹی کو سونگھا اور کنکریوں کو دیکھا اور نبی آخر الزماں ﷺ کی ہجرت گاہ کی جو علامتیں انھوں نے پڑھی تھیں، ان کے مطابق اس سرزمین کو پایا، تو باہم عہد کر لیا کہ ہم یہاں ہی مر جائیں گے، مگر اس سرزمین کو نہ چھوڑیں گے۔ اگر ہماری قسمت نے یاوری کی تو کبھی نہ کبھی جب نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائیں گے تو ہمیں بھی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے گا، ورنہ ہماری قبروں پر تو ضرور کبھی نہ کبھی ان کی جوتیوں کی مقدس خاک اڑ کر پڑ جائے گی، جو ہماری نجات کے لیے کافی ہے۔

یہ سن کر بادشاہ نے ان علماء کے واسطے چار سو مکان بنوائے اور اس بڑے عالم ربانی کے مکان کے پاس حضور ﷺ کی خاطر اک دو منزلہ عمدہ مکان تعمیر کروایا اور وصیت کر دی کہ جب آپ ﷺ تشریف لائیں تو یہ مکان آپ ﷺ کی آرام گاہ ہو اور ان چار سو علماء کی کافی مالی امداد بھی کی اور کہا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو۔

پھر اس بڑے عالم ربانی کو ایک خط لکھ دیا اور کہا کہ میرا یہ خط اس نبی آخر الزماں ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دینا۔ اگر زندگی بھر تمہیں حضور ﷺ کی زیارت کا موقع نہ ملے تو اپنی اولاد کو وصیت کر دینا کہ نسل در نسل میرا یہ خط محفوظ رکھیں، حتیٰ کہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ یہ کہہ کر بادشاہ وہاں سے چل دیا۔ وہ خط جب نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک ہزار سال بعد پیش ہوا، کیسے ہوا اور خط میں کیا لکھا تھا، پڑھیے اور عظمتِ حضور ﷺ کی شان دیکھیے۔

''کم ترین مخلوق تبع اول حمیری کی طرف سے شفیع المذنبین، سیّد المرسلین محمد رسول اللہ (ﷺ) کے نام۔ امابعد! اے اللہ کے حبیب! میں آپ (ﷺ) پر ایمان لاتا ہوں اور جو کتاب آپ پر نازل ہوگی اس پر بھی ایمان لاتا ہوں اور میں آپ (ﷺ) کے دین پر ہوں پس اگر مجھے آپ کی زیارت کا موقع مل گیا تو بہت

اچھا وغنیمت اور اگر میں آپ کی زیارت نہ کر سکا تو میری شفاعت فرمانا اور قیامت کے روز مجھے فراموش نہ کرنا۔ میں آپ ﷺ کی پہلی اُمت میں سے ہوں اور آپ کے ہاتھ آپ کی آمد سے پہلے ہی بیعت کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں۔''

شاہِ یمن کا یہ خط نسلاً بعد نسل ان چار سو علماء کے اندر حرز جان کی حیثیت سے محفوظ چلا آیا، یہاں تک کہ ایک ہزار سال کا عرصہ گزر گیا۔ ان علماء کی اولاد اس کثرت سے بڑھی کہ مدینہ کی آبادی میں کئی گناہ اضافہ ہوگیا۔ یہ خط دست بدست مع وصیت کے اس بڑے عالم ربانی کی اولاد میں سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور آپؓ نے وہ خط اپنے خادم خاص ابولیلیٰ کی تحویل میں رکھا اور جب حضور ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمائی اور مدینہ کی الوداعی گھاٹی سے آپ ﷺ کی اونٹنی نمودار ہوئی اور مدینہ کے خوش نصیب لوگ محبوبِ خدا کا استقبال کرنے کو جوق درجوق آرہے تھے اور کوئی اپنے مکانوں کو سجا رہا تھا تو کوئی گلیوں اور سڑکوں کو صاف کر رہا تھا، کوئی دعوت کا انتظام کر رہا تھا اور سب یہ اِصرار کر رہے تھے کہ حضور ﷺ میرے گھر تشریف لائیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری اونٹنی کی نکیل چھوڑ دو جس گھر میں یہ ٹھہرے گی اور بیٹھ جائے گی وہی میری قیام گاہ ہوگی۔ چنانچہ، دو منزلہ مکان شاہِ یمن تبع حمیری نے حضور ﷺ کی خاطر بنوایا تھا، وہ اس وقت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تحویل میں تھا، اسی میں حضور ﷺ کی اونٹنی جا کر ٹھہر گئی۔ لوگوں نے ابولیلیٰ کو بھیجا کہ جاؤ حضور ﷺ کو شاہ یمن تبع حمیری کا خط دے کر آؤ! جب ابولیلیٰ حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا تو ابولیلیٰ ہے؟ یہ سن کر ابولیلیٰ حیران ہوگیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میں محمد رسول اللہ ہوں شاہ یمن کا جو خط تمہارے پاس ہے، لاؤ وہ مجھے دو''۔ چنانچہ ابولیلیٰ نے وہ خط دیا، حضور ﷺ نے پڑھ کر فرمایا: ''صالح بھائی تبع کو آفرین (شاباش) ہے''۔

تبصرۂ کتب

تبصرہ نگار: سیّد مزمل حسین
اسلام آباد 0301-5030533

1 ''تذکیرالقرآن''

تالیف: ابوعبداللہ عارف علوی

ناشر: مجلس مرکزیہ حزب الانصار، بھیرہ

قرآن کی خدمت صرف دینی مدارس کے فضلاء کا کام نہیں، بلکہ یہ ایک عطیۂ خداوندی ہے، وہ جس سے چاہے اپنی کتاب کی خدمت لے لے۔ عارف علوی ایسا ہی ایک نام ہے۔ کتاب اللہ سے ان کے لگاؤ اور دلجمعی سے خدمت نے انہیں یہ رفعت عطا کی ہے کہ وہ خود صاحب کتاب بن گئے ہیں، (اہل کتاب نہیں کہوں گا)۔ 20 سال قبل انہوں نے اسلام آباد کے ایک نواحی علاقے ہمک میں عام لوگوں کے لیے ترجمۂ قرآن پاک کا آغاز کیا۔ ہمک سے ایک اور جگہ ریور گارڈن میں بھی انہوں نے ترجمۂ قرآن کی تدریس کا کام جاری رکھا۔ وہ اپنے طلبہ کے لیے آسان الفاظ میں ترجمۂ قرآن کا یوں اہتمام کرتے تھے کہ عربی الفاظ کا ذخیرہ طالبِ علم کو بتدریج بڑھتا جائے اور ساتھ ہی وہ قرآن شناس بھی بنتا جائے۔ عموماً ایک کلاس اڑھائی سال تک چلتی تھی اور اختتام پر طالب علم قرآن کا مدّعا سمجھنے کے قابل ہو جاتا تھا۔

عارف علوی نے اپنے بتدریج ترجمۂ قرآن کو کتابی شکل دے کر اب ''تذکیرالقرآن'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ عارف علوی نے اس ترجمۂ قرآن کے لیے ممتاز مترجمین قرآن حافظ نذر احمدؒ، صابر قرنیؒ، مفتی رضا المصطفیٰ، حافظ صلاح الدینؒ، پروفیسر عبدالرحمٰن طاہر، مولانا سید

شبیر احمدؒ، سیّد فضل الرحمٰن سے اکتسابِ فیض کیا۔

خود عارف علوی کہتے ہیں: ''تذکیر القرآن مذکورہ بالا تراجم قرآن کے جدا جدا محاسن سے کشید کردہ خلاصہ اور خوشبو ہے۔...... با ذوق قارئین کو کسی جگہ تدبر قرآن کا نظم کلام، کہیں کنز الایمان کی ادبیّت اور کسی جگہ تفہیم القرآن کی ترجمانی اور روانی محسوس ہوگی''۔

دارالسلام لاہور کے محقق فارانی لکھتے ہیں: ''اِس میں لفظی ترجمے کی رعایت بھی ہے جس سے قرآنی حروف والفاظ اور اسماء واعلام کے الگ الگ معانی سمجھ آتے چلے جاتے ہیں اور آیات کے بامحاورہ اور سلیس ترجمے کا تسلسل بھی برقرار رہتا ہے اور ایک اضافی خوبی جو اسے معروف اور متداول ترجموں سے ممیّز کرتی ہے وہ قرآن کے ذخیرۂ الفاظ کو ذہن نشین کرانے کا اچھوتا اسلوب ہے''۔

ایک اور محقق قرآن ڈاکٹر منصور الحمید کی رائے میں ''تذکیر القرآن'' محترم عارف علوی صاحب گزشتہ کئی برسوں سے اپنے شاگردوں کو قرآن مجید کا ترجمہ سکھا رہے ہیں۔ ایک استاد جب برسہا برس تک ایک ہی کورس، اپنے شاگردوں کو پڑھاتا ہے تو اسے اِس بات کا اچھی طرح عِلم ہو جاتا ہے کہ شاگردوں کو کہاں مشکل پیش آ رہی ہے۔ کس لفظ کا ترجمہ اُلجھن پیدا کر رہا ہے...... گویا اس ترجمہ میں کئی برسوں کی تدریس کا عنصر شامل ہے''۔

ادارہ تدبر قرآن و حدیث لاہور کے علّامہ خالد مسعود نے جو اب مرحوم ہو چکے ہیں، عارف علوی کی کاشوں کو سراہا تھا۔

''تذکیر القرآن'' 912 صفحات اور ایک جلد پر مشتمل ہے۔ ہدیہ 2500 روپے رکھا گیا ہے۔ ناشر سے فون نمبر 0323-4955825 پر اور عارف علوی صاحب سے فون نمبر 0333-5300344 پر رابطہ کر کے ''تذکیر القرآن'' حاصل کی جاسکتی ہے۔

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اُسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

رسید تحائف

1۔ نام کتاب: **قرآنی شعورِ انقلاب** (جلد اوّل وجلد دوم)

افادات: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی

ناشر: رحیمیہ مطبوعات، 33/A کوئینز روڈ، لاہور

042-36307714

پون صدی قبل ہندوستان کے پرآشوب حالات میں جو عظیم شخصیات مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے میدان میں آئی تھیں ان میں سے حضرت علامہ عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ (م 1944ء) بھی ایک قدآور شخصیت ہیں جن کا تذکرہ ملکی نصابِ تعلیم میں شامل ہونا ضروری ہے۔ انھوں نے مسلمانانِ پاک و ہند کو دین بیزار سامراجی حلقوں کے سحر سے نکل کر اور قرآنی تعلیمات سے روشناس ہوکر غلبہ دین حق کے لیے جد و جہد کرنے کا درس دیا۔ زیرِنظر کتاب میں علامہ کے شاگرد مولانا بشیر احمد لدھیانوی نے انقلابی افکار پر مبنی اُن کے تفسیری شہ پاروں کو جمع کیا ہے۔ (صفحات ج اوّل 408، ج دوم 376) یہ کتاب ادارہ کو جناب عبدالرشید رحمانی صاحب نے ارسال کی ہے۔

2۔ نام کتاب: کتابِ خلافت

تالیف: چودھری رحمت علی المعروف بابائے خلافت

ناشر: اسلامک پبلی کیشنز، کورٹ سٹریٹ لوئر مال، لاہور

دنیا بھر کے ممالک میں آج تک جتنے نظامہائے مختلفہ رائج ہوئے ہیں ان میں سے خلافت راشدہ کا نظام نہ صرف تمام انسانوں کے لیے بلکہ روئے ارضی پر بسنے والی تمام مخلوقات کے لیے بہترین نظام تھا، اگر ایسا نظام زمین پر قائم کر دیا جائے تو آسمان و زمین کی برکتوں ورحمتوں کے دروازے کھل جائیں گے اور دنیا میں ہر طرف امن وسکون کی فضا قائم ہو جائے گی۔ نظامِ خلافت کیا ہے، اس کی کیا برکات ہیں، اور یہ کیسے نافذ ہوسکتا ہے؟ زیرِنظر کتاب میں ان سوالوں کے جوابات پر گفتگو کی گئی ہے۔ (صفحات 334۔ قیمت:350روپے)

3۔ نام کتاب: ''حضرت محقق العصر نمبر'' (اشاعت خاص ماہنامہ سوئے حجاز لاہور)

مدیر اعلیٰ: علامہ محمد خلیل الرحمٰن قادری ایڈیٹر: ملک محبوب الرسول قادری

مقامِ اشاعت: جامعہ اسلامیہ لاہور مین بلیوارڈ، ایچی سن ہاؤسنگ سوسائٹی، لاہور

یہ موقر جریدہ ماہنامہ سوئے حجاز لاہور سے ستائیس سال سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ زیرِنظر کتاب اس جریدہ کی خصوصی اشاعت (جنوری تا اپریل 2021ء) ہے اس اشاعت میں خاص طور پر نامور عالم دین ومحقق حضرت مولانا مفتی محمد خان قادریؒ (1949ء -2020ء) کے بارے میں روشنی ڈالی گئی ہے، جو کہ درجنوں کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ مولانا کے افکار، تعلیمات، گراں قدر خدمات، اہم فتاویٰ، خطوط، انٹرویوز، علمی نشستوں اور تصانیف کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ موصوف ہیں۔ (اس کے 560 صفحات ہیں)

4۔ نام کتاب: **شعاعِ نورانی نمبر** (سہ ماہی انوارِ رضا۔ جوہر آباد)

خطبات: مولانا شاہ احمد نورانی صدیقیؒ

ناشر: ملک محبوب الرسول قادری۔ 0321-9429027

سہ ماہی جریدہ 'انوارِ رضا' جوہر آباد کی پیش نظر خصوصی اشاعت ''شعاعِ نورانی نمبر'' میں مولانا شاہ احمد نورانیؒ (1926ء -2003ء) کے تقریباً 47 خطبات، تقریریں، تحریریں اور ان کے بارے اہل علم کے تاثرات شامل ہیں۔ مولانا کی ایک اہم تقریر بعنوان گستاخِ رسول ﷺ کی سزا صرف موت ہے۔ دوسری اہم تقریر بیت المقدس اور اس کا عروج وزوال کے موضوع پر ہے۔ (صفحات:616)

5۔ نام کتاب: **بکھرے موتی** (جلد اوّل۔ دوم)

تالیف: مولانا محمد یونس پالن پوری

ناشر: فیضی کتب خانہ محلّہ جنگی پشاور

کچھ خاص اہل علم اور اہل قلم حضرات اپنی خداداد صلاحیتوں کے مطابق قرآن مجید، احادیث اور تفاسیر و سیرت و دیگر متداولہ و غیر متداولہ کتب کے سمندر میں غوطے لگا کر ان میں سے قیمتی موتی نکالتے ہیں اور اس سے دیگر عوام وخواص کو فائدہ پہنچاتے ہیں، انہی میں سے زیر نظر کتاب کے مولف بھی ہیں جنھوں نے اس کتاب میں بہت ہی قیمتی اور نایاب بکھرے موتی (قیمتی معلومات) جمع کر دیے ہیں۔ (صفحات جلد اوّل و دوم 312)۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسِ الٰہ آباد (دسمبر 1930ء) میں علامہ اقبال کا صدارتی خطبہ

اس تناظر میں سب سے زوردار آواز مسلمانوں کی واحد جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے بلند ہوئی۔ علامہ اقبال کی شخصیت عالمی سطح پر جانی پہچانی تھی، اپنی ملی شاعری کی وجہ سے آپ مسلمانوں کے دل کی آواز بن گئے تھے، گزشتہ ربع صدی سے مسلم لیگ اپنے سالانہ اجلاس کرتی آرہی تھی، 1930ء کے سالانہ اجلاس کے لئے جو آلٰہ آباد میں ہونا تھا مسلم لیگ نے علامہ اقبال سے اس اجلاس کی صدارت کی استدعا کی جو آپ نے قبول کرلی۔ علامہ اقبال چند سال قبل ہی RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM پر خطبات میں دورِ حاضر کی اسلامی ریاست کے خدوخال بیان کر چکے تھے۔ نیز پیام مشرق میں امیر افغانستان امان اللہ خان سے خطاب میں اسلامی ریاست کے نقوش بھی سپردِ قلم کر دیے تھے۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کو مناسب موقع سمجھتے ہوئے بڑی مفصل گفتگو کے ذریعے برطانوی سامراج کی واپسی کی صورت میں دوقومی نظریہ کی بنیاد پر الگ ریاست کا تصور پیش فرمایا جہاں

مسلمان اپنے ایمان اور اعتقادات کی بنیاد پر قرآن وسنت پر مبنی ریاست کی تشکیل کرسکیں گے۔آپ نے فرمایا تھا:

''میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو متحد ہوکر ایک واحد ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں جس کی اپنی حکومت ہو خواہ سلطنت برطانیہ کے تحت یا اس سے الگ۔اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ متحدہ شمال مغربی ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے تقدیر مبرم ہے۔''

برطانوی ہند کے مسلمانوں کا اجتماعی شعور اس بات کا شدت سے تقاضا کرتا تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ انہیں ہندوؤں سے علیحدہ ہوکر ایک خطۂ زمین ملنا چاہئے تاکہ وہ اپنی تہذیب وثقافت کا تحفظ کرسکیں۔علامہ اقبال کے صدارتی خطبے نے مسلمانوں کی اس اجتماعی سوچ کو ایک رُخ دے دیا اور دوقومی نظریہ کے ایک مجرّد تصور کو صورت عطا کر دی کہ مسلمانوں کے لئے علیحدہ خطہ زمین .....صرف مسلمان نام کے گورنر، جنرل، صدر، وزیراعظم اور ڈکٹیٹروں کے لئے نہیں بلکہ دراصل یونانی اور عجمی پرانے کائناتی تصورات اور دیومالائی اعتقادات کے زیر اثر تشکیل پائے ہوئے فکر اسلامی (ISLAMIC THOUGHT) کی بجائے نیوٹن کے دور سے بھی آگے آئن سٹائن کے دور کے کائناتی تصورات اور حقیقت اشیاء کے ساتھ ساتھ معاشرتی علوم (SOCIAL SCIENCE) کو قرآن و سنت کی تعلیمات میں سمو کر دورِ حاضر کی ایک جدید فلاحی جمہوری اسلامی ریاست کا نمونہ دنیا کے سامنے رکھ دیا جائے تاکہ 'فلاح' کا خدائی (DIVINE) تصور سامنے آسکے۔ (ماخوذ از ''حکمت بالغہ میں اقبال شناسی'' مؤلفہ: پروفیسر ہارون الرشید تبسم)

مسلمانانِ پاکستان کا یومِ آزادی منفرد ہے

14 اگست 1947ء بمطابق 27 رمضان 1366ء

علامہ اقبال اور قائداعظم کے پاکستان کے آزادی کے دن 27 رمضان المبارک یعنی لیلۃ القدر یا شبِ قدر یا نزولِ قرآن کی رات ہونا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔ اسی لیے خالص سیکولر اور لبرل یعنی بے ضمیر لوگ اس 'قرانِ سعدین' (دو بابرکت نعمتوں کا اکٹھے ہو جانا) کو متنازع بنانے اور خلط مبحث کے کارِلاحاصل میں اپنا حصہ ڈالنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں اور لبرل ازم کے پرستار اس یومِ آزادی کو مادر پدر آزادی، اخلاقی اقدار سے آزادی، بے حیائی، فحاشی اور عیاشی کے مترادف قرار دے کر نئی نسل کو اسلامی اقدار سے دور کرنا اپنے آقاؤں کے لیے 'وفاداری' اور 'نمک حلالی' کا حصہ سمجھتے ہیں۔ یومِ آزادی سے قبل اور بعد بہت سی موبائل کمپنیاں، 4G، 5G انٹرنیٹ کی مالک کمپنیاں اور دیگر میڈیا آرگن اسی مفہوم میں آزادی کا لفظ استعمال کر کے خواہ مخواہ اپنے دل میں چھپے ہوئے اسلام دشمن اور (سیّدنا) محمدؐ دشمن اور خدا بیزار جذبات کو سامنے لے آتی ہیں۔ حالانکہ اہل علم و دانش جانتے ہیں کہ اس اسلام دشمنی اور محمد ﷺ دشمنی کے ڈانڈے تاریخ میں صہیونیت اور بنی اسرائیل سے جا ملتے ہیں جو قرآن کے مطابق قتل انبیاء جیسے انسانیت سوز اور اخلاق سوز جرم میں صدیوں ملوث رہے ہیں اور اب بھی ان کے دل کا گندا مواد موقع بہ موقع ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ یہ مشن ہمارے ملک کی بعض ملٹی نیشنل اور NGO's پورا کر رہی ہیں جو غیر ملکی امداد سے اپنے تئیں یہ 'مقدس کام' سرانجام دیتی ہیں۔

مسلمانانِ پاکستان، حکومت، قومی و صوبائی اداروں سے ہماری التماس ہے کہ پاکستان کا یومِ آزادی 14 اگست کو بھی منایا جائے اور 27 رمضان کو بھی ہر سال منایا جانا چاہیے۔ تاکہ ہمارے یومِ آزادی کے نعرے میں مذہبی تقدس آسمانی تعلیمات کی خوشبو پیدا ہو سکے۔ (ادارہ)

فرمانِ قائداعظم

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی وفات (بتاریخ 11 ستمبر 1948ء)
سے دو تین دن پہلے پروفیسر ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے فرمایا:

''تم جانتے ہو کہ جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے! یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی نہیں کرسکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسولِ خدا ﷺ کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب یہ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔''

(روزنامہ جنگ 11 ستمبر 1988ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

ماہنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

اشاعت کے 14 سال 14 خصوصی اشاعتیں

		صفحات	قیمت
2007ء	حقیقت انسان نمبر	96	50/-
2008ء	حقیقت علم نمبر	96	50/-
2009ء	احیاء العلوم نمبر	96	60/-
2010ء	دوقومی نظریہ اور پاکستان کا نظریاتی نظامِ تعلیم نمبر	128	70/-
2011ء	حقوقِ نسواں نمبر	112	70/-
2012ء	یاجوج ماجوج نمبر	152	120/-
2013ء	الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ	160	135/-
2014ء	جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش.....	168	150/-
2015ء	حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے	248	220/-
2016ء	اِحیائے فکرِ اقبال نمبر	224	220/-
2017ء	بادشاہ، پرنس اور ارب پتی یا درویش حکمران	280	300/-
2018	وسائل رزق پر قبضہ، ارتکاز دولت .....اور.....	304	350/-
2019	ڈاکٹر محمد رفیع الدین کی اقبال شناسی	336	400/-
2020	اقبال و جناح کے پاکستان کا استحکام و بقا.....چند عملی اقدامات	394	550/-

خود مطالعہ کریں ـــــ دوستوں کو تحفہ دیں ـــــ محدود تعداد میں دستیاب ہیں

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ
047-7630861
0336-6778561

Vol 15
CPL No: FD 30/07
HIKMAT-E-BAALGHA
AUGUST 2021
No 08

مسلمانانِ پاکستان کو

75واں
یومِ آزادی مبارک

14/اگست 1947ء کو

27ویں رمضان المبارک 1366ھ

کی تاریخ تھی

ہم حکمرانوں، پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کے تمام گروپوں کے اکابرین، سیاسی جماعتوں کے قائدین دانشوروں، علماء کرام، روحانی پیشواؤں اور دردمند خواص وعوام اہل پاکستان سے درخواست کرتے ہیں کہ آئیں مل کر حکومت سے مطالبہ کریں کہ آئندہ ہر سال یومِ آزادیٔ پاکستان سرکاری طور پر

27/رمضان المبارک

کو بھی منایا جائے۔ تاکہ پاکستان کا آئینی اور اسلامی تشخص (نظریۂ پاکستان) بھارت سے الگ اور نمایاں ہو سکے۔

(ادارہ)